فتاویٰ عالمگیری اردو

III

مکتبہ آفتاب ہدایت آستانہ مفتی اعظم ابو المعالی دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید

کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم

جز نمبر ۴

حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس اللہ سرہٗ کا عظیم کارنامہ، اسلامی دستور کی مکمل انسائیکلوپیڈیا فتاویٰ عالمگیری تازہ فٹ نوٹس مفید ضمیموں، سلیس وشگفتہ اور بامحاورہ زبان کے ساتھ اردو کے حسین قالب میں

مترجم

مولانا سید عبدالرؤف عالی مظاہری القاسمی ابن الحاج حافظ قرآن و حدیث
حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

ناشر: مکتبہ آفتاب ہدایت آستانہ مفتی اعظم ابوالمعالی دیوبند یوپی

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید

کے

مکتبہ آفتاب ہدایت دیوبند

ایک خالص دینی اور علمی ادارہ ہے جو ہندوستان کے ممتاز علمائے کرام کی نگرانی میں اسلام اور مسلمانانِ ہند کی شاندار خدمات انجام دے رہا ہے، آپکا تعاون اس ادارے کے علمی پروگراموں کیلئے ازبس ضروری ہے،

قیمت فی جزء ـــــ دو روپے پچیس نئے پیسے (علاوہ محصول)
ممبران کرام سے ـــــ ہمیشہ کیلئے محصول ڈاک معاف
فیس ممبری دائمی شرکت کیلئے ـــــ ایک روپیہ
طباعت ـــــ وسیم پرنٹنگ پریس دیوبند
تعداد اشاعت ـــــ بار اوّل ـــــ ایک ہزار
عرصۂ اشاعت ـــــ دو ماہ
کتابت ـــــ سلطان احمد خوشنویس دیوبند

فتاویٰ عالمگیری اردو کے حلقۂ اشاعت کی توسیع ایک علمی اور دینی خدمت ہے

فہرست عنوانات

ضروری گذارش

فتاویٰ عالمگیری جیسی اہم فقہی کتاب کو اُردو زبان میں منتقل کرنیکا پروگرام ادارہ آفتاب ہدایت دیوبند نے جس امید اور یقین اور جن جذبات فراواں کیساتھ شروع کیا تھا خدائے لم یزل کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ملت کے ہوش مند اور دیندار طبقو نمیں اسکا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ جس انداز میں آپ حضرات نے اس اہم دینی پروگرام میں تعاون عمل کا ثبوت دیا اُس سے کارکنانِ ادارہ کا حوصلہ بڑھا۔

لیکن جو حضرات طباعت وکتابت کے سنگلاخ میدان کا عملی تجربہ رکھتے ہیں وہ بخوبی واقف ہونگے کہ یہ کام کتنی محنت کیسی ہمت اور جانفشانی چاہتا ہے اور اُس کتاب کی اشاعت کیلئے کس قدر سرمایہ درکار ہے جو ہزارہا صفحات پر مشتمل ہے

اسلئے - اگر آپ فتاویٰ عالمگیری جدید اردو کی اشاعت کو ملتِ اسلامیہ کیلئے کارآمد اور مفید سمجھتے ہیں - اور چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ زیادہ تیزی اور زیادہ پابندی کیساتھ جاری رہے تو براہِ کرم ادارہ کیساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون عمل کا ثبوت دیجئے - اور اس کی صورت یہ ہے کہ :-

- ——— فتاوی کا ہر ممبر اپنے دوستوں اور عزیزوں میں سے کم سے کم پانچ افراد کو فتاویٰ عالمگیری کا ممبر بنائے۔
- ——— اگر ممکن ہو تو سالانہ ممبر بنانے کی کوشش کی جائے کہ اس میں آپ کو بچت ہوگی اور ادارہ کو سہولت اور آسانی ——— !
- ——— اپنے حلقۂ احباب واعزہ میں سے ایسے حضرات کے **زیادہ سے زیادہ پتے** ادارہ کو روانہ فرمائیں جو دینی کتب سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اس پروگرام میں شرکت کر سکیں۔
- ——— اپنی ضرورت کی ہر کتاب **مکتبہ آفتاب ہدایت دیوبند** سے طلب فرمائیں۔
- ——— کوشش فرمائیں کہ وی پی واپس نہ ہو۔ کیونکہ جو حضرات وی پی واپس کر دیتے ہیں یا ڈاکخانہ کی غلطی سے وی پی واپس ہوتی ہے تو اُس سے اس دینی ادارہ کا شدید نقصان ہوتا ہے۔

آپ کی دینی اُمور سے گہری وابستگی اور اخلاقِ کریمانہ سے یہ قوی توقع ہے کہ ان امور پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیے

خط وکتابت کا پتہ

مینیجر مکتبہ آفتاب ہدایت۔ ابو المعالی۔ دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان آٹھ عنوانات پر مشتمل ہے اور ہر عنوان ایک مستقل باب ہے[1] اور پہلا عنوان وہ ہے جس میں زکوٰۃ کا شرعی مفہوم اس کا دینی حکم اور اس سے متعلقہ قانونی شرائط بیان کی گئی ہیں۔

زکوٰۃ کی (شرعی اور فقہی) تعریف و تفسیر اپنے مال (کی ایک خاص مقدار) کا کسی ایسے نادار مسلمان کو مالک بنا دینا جو نہ ہاشمی خاندان سے ہو نہ اس شخص کا (شرعی نقطہ نظر سے) غلام ہو اور اس عطیہ کے پیچھے نہ اس شخص کی کوئی دنیاوی منفعت اور کسی عوض کا لالچ بھی نہ ہو، بلکہ محض خدا کی رضا پیش نظر ہو، شریعت میں لفظ زکوٰۃ کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے (تبیین الحقائق)

زکوٰۃ (کی شرعی حیثیت اور اس) کا دینی حکم زکوٰۃ اسلام کا ایک بنیادی فریضہ ہے (جسکی اہمیت یہ ہے کہ) اس کا منکر کافر اور اس (کی ادائیگی) میں رکاوٹ ڈالنے والا (اسلامی حدود و) قتل کے تحت (واجب القتل ہے (محیط سرخسی) زکوٰۃ کی ادائیگی سال بھر گذرنے کے بعد فوراً واجب ہو جاتی ہے، کسی عذر شرعی کے بغیر اس میں

---

[1] اصل کتاب میں ہر مستقل عنوان کو باب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس طرح کتاب الزکوٰۃ بھی آٹھ ابواب پر مشتمل ہوا اور ہر باب کے تحت جو ذیلی خانے قائم کی گئی ہیں انہیں فصل کہا گیا ہے [2] آخری دور میں بعض متاخرین فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ ضرورت مند ہاشمی النسل لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیوں کہ عہد رسالت میں انھیں ذوی القربیٰ کی حیثیت سے مال غنیمت ملتا تھا مگر اب چونکہ یہ صورت حال باقی نہیں اس لئے ان کو زکوٰۃ دینے کی گنجائش ہے

یہ کل مال دیتے ہوئے اس نے نفلی خیرات کی بھی نیت نہ کی ہو یا کوئی نیت نہ کی ہو۔ اگر سارا مال کسی فقیر کو بطور نذر یا کسی واجب کی ادائیگی کے پیشِ نظر دے دیا تو وہ اسی مد میں شمار ہوگا زکوٰۃ کی رقم (جو واجب تھی) بدستور واجب رہے گی اور اگر کچھ مال کسی محتاج کو دیا ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک جتنا دیا ہے اس کے بقدر اس کے ذمہ سے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، امام اعظمؒ سے بھی یہی روایت ہے اور یہی اشبہ ہے (زاہدی)

اگر کسی نادار شخص کے ذمہ قرض تھا اور وہ قرض معاف کر دیا تو نیت کے بغیر بھی اتنے مال کی زکوٰۃ ذمے سے ساقط ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ بھی مال کے ختم ہونے ہی کی ایک صورت ہے اور اگر کچھ قرض معاف کیا تو اس کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور باقی قرض جو اس کے ذمہ رہ گیا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ اس جزوی قرض کو معاف کر (دینے میں باقی رقم کی زکوٰۃ دینے کی بھی نیت کر لی ہو (تبیین) اگر مقروض غنی ہے اور سال گذرنے کے بعد اس کو معاف کر دیا تو جامع کی روایت کے مطابق بقدر زکوٰۃ رقم ادا کرنے کا یہ قرض دینے والا ذمہ دار ہے یہی قول زیادہ صحیح ہے (محیط سرخسی)

کسی فقیر سے یہ کہا کہ وہ اس کے قرض کو جو فلاں شخص کے ذمہ ہے وصول کر لے اور اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کر لی تو یہ جائز ہے (بحر الرائق) اگر کسی فقیر کو اپنا قرض معاف کر دیا اور نیت یہ کر لی کہ یہ اس قرض کی زکوٰۃ ہے جو اس فقیر کے علاوہ کسی اور شخص کے اوپر ہے یا اپنے پاس جو مال موجود ہے اس کی نیت کر لی تو یہ جائز نہیں (الکافی)

نقد سرمائے اور قرض دیئے ہوئے سرمایہ کی اکٹھی زکوٰۃ بصورت نقد ادا کرنا جائز ہے لیکن نقد سرمایہ کی اور وصول ہو جانے والے قرض کی زکوٰۃ قرض دیئے ہوئے سرمایہ کی شکل میں ادا کرنا جائز نہیں اور جو قرض وصول ہونے والا نہیں اس کی زکوٰۃ قرض دیئے ہوئے سرمایہ کی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے (محیط سرخسی)

فقہاء نے کہا ہے کہ جب آدمی زکوٰۃ ادا کرے تو اس کا علی الاعلان ادا کرنا افضل ہے اور نفل صدقات و خیرات کو پوشیدہ طور پر ادا کرنا بہتر ہے (قاضی خاں) اگر کسی مسکین کو کچھ رقم بطور قرض یا بطور ہبہ دی اور نیت زکوٰۃ کی کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یہی قول صحیح ہے جسے بحر الرائق نے مبتغی اور قنیہ سے نقل کیا ہے۔

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط

پہلی شرط ہے کہ وہ شخص آزاد ہو، غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ آقا کی اجازت سے وہ کاروبار کرتا ہو اسی طرح (غلامی کی مختلف نوعیتوں سے متعلق لوگ جنہیں اصطلاحاً) مدبر، ام ولد اور مکاتب (کہا جاتا ہے ان) پر زکوٰۃ واجب نہیں، مستسعی کا حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہی ہے جو مکاتب کا ہے (بدائع)

لے غلام ہزار برس پہلے تقریباً دنیا کے ہر معاشرے کا ایک جزو لازم تھا چنانچہ اسلام نے اس حقیقت کو تسلیم کر کے اس کے بارے میں ایسے اصلاحی احکامات دیئے جن کی بنا پر یہ رسم بڑی حد تک ختم ہو جائے اور اگر ناگزیر حالات کی بنا پر اس کو باقی بھی رکھا جائے تو اس میں اتنی اصلاحات ہو جائیں جن کے نتیجے میں یہ غلام سماجی اور معاشرتی حیثیت سے اک آزاد فرد کی حیثیت کے قریب پہنچ جائے اور زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی اور اقتصادی ضرورت کے تحت غلامی باقی رہے چنانچہ لفظ غلام اور اس سے متعلقہ اصطلاحات قدیم فقہاء کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں، اُس دور میں یہ لفظ ذہنی اور عملی اعتبار سے ساری دنیا میں جانا پہچانا تھا، اُس وقت جو لڑائیاں ہوتی تھیں ان کے بعد بے شمار لوگ غلام بنائے جاتے تھے اسلام نے اس رسم کو آج کی نظرِ فریب تہذیب کی منافقانہ، مگر در حقیقت سخت ظالمانہ اصطلاح "جنگی مجرمین" کے روپ میں باقی رکھنے کے بجائے جنگ میں کافر قوموں کے ہاتھ آنے والے افراد کی ایک خاص حیثیت متعین کی اور انہیں صرف اتنی سزا دی گئی، کہ وہ دوسرے درجہ کے شہری تسلیم کئے گئے، بنیادی ضروریات زندگی میں تمام انسانوں کی طرح ان کا حق مانا گیا اور اسی کے ساتھ اقتصادی لحاظ سے بہت سے لوگوں کو اسلامی ریاست کے خزانے پر بار اور سیاسی نقطہ نظر سے نظامِ حکومت کے لئے خطرہ بھی نہیں بننے دیا گیا (بقیہ حاشیہ

ہتا خیر کرنا موجب گناہ ہے، رازی کی روایت کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی فوری طور پر واجب نہیں ہوتی، مرتے دم تک تاخیر کی گنجائش ہے، البتہ ادا کئے بغیر اگر مالک نصاب کا انتقال ہو جائے تو گنہ گار ٹھیرے گا، تہذیب نے پہلے قول یعنی فوری ادائیگی کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط

نیت بہرحال ضروری ہے نیت ہی کے تحت فعل کے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں اس لئے جب زکوٰۃ ادا کی جائے اس وقت نیت ضروری ہے یا اپنے مال سے واجب شدہ مقدار کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیئے (کنز) اگر ایسی صورت ہوئی کہ زکوٰۃ کی نیت تو فی نفسہ کر لی، مگر اس وقت اس غرض سے کوئی رقم اپنے سرمائے سے علیحدہ نہیں کی بلکہ اخیر سال تک بتدریج کچھ نہ کچھ زکوٰۃ دیتا رہا اور اس پوری مدت میں کسی وقت بھی زکوٰۃ کی نیت (مال نکالتے اور ادا کرتے وقت) نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (التبیین) ہاں اس طرح زکوٰۃ کا مال دینے کے دوران اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا دے رہے ہو تو وہ بلا تامل جواب دے کہ زکوٰۃ ہے تو اس کو نیت کہا جائے گا (اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی) اور اگر یہ کہا کہ اخیر سال تک جو کچھ صدقہ کروں گا وہ سب زکوٰۃ ہی کی نیت سے ادا ہو گا تو یہ جائز نہیں (سراجیہ)

زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا، تو اس کو رقم دینے کے وقت نیت کر لینا کافی ہے۔ وکیل بنانے کے وقت نیت نہیں کی البتہ زکوٰۃ کی رقم وکیل کو دیتے وقت نیت کر لی تو یہ صورت بھی درست ہے (جوہرہ نیرہ)

زکوٰۃ میں مؤکل کی نیت معتبر ہوتی ہے نہ کہ وکیل کی (معراج الدرایہ) کسی شخص کو زکوٰۃ کی رقم دیکر یہ کہا کہ محتاجوں کو بانٹ دو، مگر اس وقت نیت نہیں کی وکیل نے رقم بانٹ دی تو جائز ہے اسی طرح کسی ذمی کو زکوٰۃ کی تقسیم کی ذمہ داری سپرد کی جاسکتی ہے اسلئے کہ جس نے زکوٰۃ دی ہے اس کی نیت کافی ہے (محیط السرخسی) اگر وکیل کو رقم دینے کے بعد مؤکل کی نیت بدل گئی ہے جبکہ وکیل نے زکوٰۃ تقسیم نہ کی ہو تو اب یہ رقم اس بعد والی نیت کے تحت ادا ہو گی جبکہ وکیل کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کچھ رقم دی مگر روپیہ تقسیم کرنے سے قبل مؤکل نے یہ رقم اپنی نذر میں دینے کی نیت کر لی تو اب یہ رقم نذر کی شمار ہوگی (سراج الوہاج)

اگر کسی نے یہ کہا کہ میں اس گھر میں داخل ہوں تو میرے ذمہ سو روپے خدا واسطے خیرات کرنے واجب ہیں اس کے بعد وہ گھر میں چلا گیا اور جاتے وقت یہ نیت کر لی کہ یہ رقم میں اپنی زکوٰۃ میں دیدوں گا تو اب اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (محیط سرخسی) اگر کسی نادار شخص کی امانت کسی صاحب امانت کے پاس سے ضائع ہو جائے اور رفع نزع کی خاطر وہ اس امانت کے بقدر رقم زکوٰۃ کی نیت سے اس شخص کو ادا کر دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (فصل ادا الزکوٰۃ۔ فتاویٰ قاضی خاں) کسی محتاج کو کوئی نیت کے بغیر کچھ رقم دی اور پھر اس نے زکوٰۃ کی نیت کر لی تو یہ نیت اس وقت صحیح ہوگی جب کہ نیت کے وقت تک اس محتاج شخص نے وہ رقم خرچ نہ کی ہو اور اگر خرچ کر لی تو اب زکوٰۃ کی نیت درست نہیں (زکوٰۃ کی نیت کر بھی لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی) (معراج الدرایہ، زاہدی، بحر الرائق، عینی ہدایہ) ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی جانب سے خود اسی کے مال سے اسکی زکوٰۃ ادا کر دی پھر اس شخص نے اس کی اجازت دے دی تو اس وقت تک اگر دی ہوئی رقم اس مستحق کے پاس موجود ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہ ہو گی (سراجیہ)

جس نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسانؔ اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی (زاہدی) خواہ

لے یعنی سال بھر پورا ہونے کے بعد وجوب زکوٰۃ گو مشروع ہو جائے گا مگر اس کی فوری عملدرآمد لازمی نہیں۔ ٹ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو مگر اب چونکہ اس کے پاس کوئی مالیت باقی نہیں رہی اس لئے اس صورتِ حال کے تحت اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گی۔

دوسری شرط مسلمان ہونا ہے کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں (بدائع) جس طرح وجوب زکوٰۃ کے لئے اسلام شرط ہے بقائے زکوٰۃ کے لئے بھی احناف کے نزدیک اسلام شرط ہے یعنی وجوب زکوٰۃ کے بعد اگر نعوذ باللہ اسلام کو ترک کر دے تو زکوٰۃ اسکے ذمے سے ساقط ہو جائیگی جسطرح مرنیکے بعد اس کی ذات پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی اسی لئے اگر حالت کفر اختیار کرنے کے بعد پھر دوبارہ اسلام لے آیا تو ان درمیانی سالوں کی زکوٰۃ اس کے اوپر واجب نہ ہوگی (معراج الدرایہ) صیرفی کہتے ہیں کہ ایک کافر دار الحرب میں مسلمان ہوا اور کچھ سال وہیں مقیم رہا پھر دار الاسلام میں آگیا تو حاکم وقت کو اس سے پچھلی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں اس لئے کہ وہ زمانہ اس نے دار الاسلام کے حدود و اقتدار سے باہر گذارا ہے جو اس حاکم کی ولایت میں شامل نہیں تھا اس صورت میں وہ شخص زکوٰۃ کے وجوب سے ناواقف تھا تو نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا لیکن اگر وہ وجوب زکوٰۃ کے بارے میں جانتا تھا تو پھر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اور ادائے زکوٰۃ کا فتویٰ بھی دیا جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں اگر کوئی ذمی دار الاسلام میں مسلمان ہوتا ہے اس پر بہر حال زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ وہ وجوب زکوٰۃ کے مسئلہ سے واقف ہو یا نہ ہو (سراج الوہاج)

تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی عاقل و بالغ ہو بچے پر اور اس پاگل شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں جسکے پاگل پن کو ایک سال گذر جائے (جوہرہ وغیرہ) البتہ اگر سال کے شروع میں یا ختم پر یہ پاگل آدمی مالک نصاب تھا اور درمیان سال میں اسکو کچھ نہ کچھ صحت ہوگئی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (عینی شرح ہدایہ) یہی ظاہر روایت ہے (کافی) صدر الاسلام ابو الیسر کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے (شرح النقایہ شیخ ابی المکارم) پاگل آدمی کے بارے میں یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا جنون عارضی ہو پیدائشی نہ ہو یعنی بالغ ہونے کے بعد جنون کی کیفیت پیدا ہوئی ہو، اگر جنون اصلی ہو یعنی بالغ ہی جنون کی حالت میں ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب بھی اسے (درمیان میں) افاقہ ہوگا اسی وقت سے اس کی سال کی ابتداء تصور کی جائے گی (کافی) اسی طرح جب بچہ بالغ ہو تو وقت بلوغ سے ابتداء سال شروع ہو جائے گی (التبیین) جو شخص بے ہوش ہے خواہ اس پر مسلسل سال بھر تک بے ہوشی طاری رہے زکوٰۃ واجب ہوگی (فتاویٰ قاضی خاں)

چوتھی شرط یہ ہے کہ سرمایہ حد نصاب تک (پہنچ گیا) ہو نصاب سے کم سرمایہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی (عینی شرح کنز) مثلاً ایک شخص نے دو سو درہم میں سے سال بھر گذرنے کے بعد پانچ درہم نکال کر بہ نیت زکوٰۃ (براہ راست) کسی محتاج کو یا (بالواسطہ) کسی وکیل کو دیدیئے۔ اتفاقاً ان میں کوئی سکہ کھوٹا نکل آیا تو نصاب ناقص رہ گیا لہٰذا وہ درہم بمد زکوٰۃ شمار نہ ہونگے لیکن دینے کے بعد کسی محتاج شخص سے انھیں واپس نہیں لے سکتا ہاں اگر وکیل نے ابھی تک وہ روپے صدقہ نہیں کئے تو یہ اس سے واپس لے سکتا ہے (فتاویٰ قاضی خاں)

وجوب زکوٰۃ کی **پانچویں شرط** یہ ہے کہ آدمی اپنے اس نصاب کا پورا مالک ہو یعنی وہ اس کی ملکیت میں بھی ہو اور قبضے میں بھی ہو اور اگر صرف ملک ہو قبضہ نہ ہو۔ جیسے کہ مہر کی حیثیت وصول کرنے سے پہلے ہوتی ہے، یا قبضہ ہو مگر ملک نہ ہو جیسا کہ مکاتب اور مقروض آدمی کا سرمایہ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (سراج الوہاج) اور قبضہ کرنے سے قبل خریدی ہوئی چیز نصاب شمار نہیں کیجاتی (بعض کے نزدیک) مگر صحیح قول یہ ہے کہ نصاب بنجائے گی (محیط سرخسی) جو غلام تجارت کے لئے تیار کیا گیا اور وہ فرار ہو جائے تو مالک پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں (شرح المجمع لابن الملک) ایسے ہی اگر خاوند نے بیوی سے ایک ہزار روپے پر خلع کیا اور کئی سال تک یہ روپیہ اس کے قبضہ میں نہیں آیا تو اس کی زکوٰۃ بھی اس پر واجب نہیں (المضمرات) ایسے ہی اگر مال رہن رکھا ہے اور وہ مرتہن کے قبضے میں ہے تو رہن رکھنے والے پر زکوٰۃ واجب نہیں (بحر الرائق) جس غلام کو اس کے

بقیہ ملہ .. چنانچہ یہ سب مدبر، مکاتب وغیرہ کی اصطلاحات اس بات کی واضح علامت ہیں کہ ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کو غلامی کے شکنجے سے نکلنے کے مواقع اور آزاد فرد کی حیثیت اختیار کرنے کے وہ سارے امکانات مہیا کر دیئے گئے جو کسی دوسرے معاشرے میں نہ پہلے موجود تھے نہ اب ہیں۔

مالک نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو اور جتنی اس کی کمائی ہے اسی قدر اس پر قرض بھی ہو تو ان دونوں میں سے مالک ہو یا غلام کسی پر بھی اس غلام کی زکوٰۃ واجب نہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ہاں اگر وہ غلام مقروض نہ ہو تو اس کی کمائی مالک کی کمائی ہے اور سال پورا ہونے کے بعد مالک ہی پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی (معراج الدرایہ) بعض علماء کا قول ہے کہ مناسب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کمائی وصول کرنے سے قبل مالک پر زکوٰۃ واجب ہوتی، مگر صحیح قول یہی ہے کہ کمائی لینے سے قبل زکوٰۃ واجب ہوگی (محیط سرخسی) مسافر پر بھی اپنے مال کی زکوٰۃ اس لئے واجب ہے کہ وہ اپنے نائب کے ذریعہ سے اپنے مال میں تصرف کی قدرت رکھتا ہے (قاضی خاں فصل مال التجارۃ)

وجوب زکوٰۃ کی **چھٹی شرط** یہ ہے کہ جو مال آدمی کے پاس موجود ہو وہ اس کی حاجت اصلی یعنی اس کی بنیادی ضروریات زندگی کے علاوہ ہو، جیسے رہائشی مکانات، بدن کے کپڑے، گھریلو سامان، سواری کے جانور (یا مشینیں سائیکل موٹر) خدمت گار غلام اور استعمالی ہتھیاروں پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، ایسے ہی گھر والوں کے لئے خوردنی اشیاء پر اور آرائشی ظروف پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں، ایسے ہی موتی، یاقوت) اور زمرد جواہرات وغیرہ اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح اگر اخراجات کے لئے کچھ رکھے خرید رکھے تو انپر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی (العینی شرح ہدایہ) اسی طرح اہل علم کی کتابوں پر (جو ذاتی مطالعہ و استفادہ کے لئے ہوں) اور پیشہ وروں کے آلات کارکردگی پر زکوٰۃ واجب نہیں (سراج الوہاج) البتہ اس میں فرق یہ ہوگا جو آلات بذات خود (بلا کسی خارجی اعانت کے) قابل انتفاع ہوں اور جہاں انھیں استعمال کیا جاتا ہے وہاں ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور جن آلات کا اثر استعمال کئے جانے کے بعد باقی رہتا ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسے رنگریز نے مقدار نصاب کے بقدر زعفران یا کسم اس مقصد سے خریدی کہ وہ اجرت لے کر لوگوں کے کپڑے رنگے گا اور اس پر سال بھر گذر گیا تو اب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہ ہوگی، یہی حکم ہر ایسی شئے کا ہے جو ایسے کام کیلئے خریدی جائے کہ اس کا اثر اس چیز پر باقی رہتا ہے جس پر اس شئے کو استعمال کیا گیا ہے اور تیل چمڑے کی رنگائی کے لئے اس مقدار نصاب پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اسی شئے کا اثر --- (دیرپا) نہیں ہے جیسے صابون اور اسی جیسی چیزیں تو ان پر زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی (الکفایہ)

وجوب زکوٰۃ کی **ساتویں شرط** یہ ہے کہ جو مقدار نصاب موجود ہے کسی بھی قسم کے قرض کا اس سے تعلق نہ ہو ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس قرض کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو وہ قرض وجوب زکوٰۃ کو ساقط کر دیتا ہے جیسے کسی شخص سے لیا ہوا قرض، کسی خرید کردہ شئے کی قیمت کسی کی ضائع شدہ چیز کا تاوان، یا کسی کو مجروح کر دینے کا عوض، پھر یہ قرض کسی نوع کا ہو، نقد ہو، یا کیلی قرض ہو جو کسی پیمانے سے ناپ کر لیا جائے یا وزنی قرض ہو جو تول کر لیا جائے، یا کپڑا ہو، یا جانور ہوں، یا بیوی کو چھوڑنے اور اس سے خلع کرنے کے سلسلہ میں واجب ہو، یا کسی کو عمداً قتل کر دینے کے بعد اس سے مصالحت کے ذریعہ طے کردہ (رقم اور) بدل ہو، فی الحال ادا کرنا ہو، یا کچھ دیر کے بعد، یا یہ قرض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو جیسے واجب الاداء زکوٰۃ، چنانچہ اگر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کسی شخص کے ذمے واجب ہے تو اس قرض کی بناء پر بالاتفاق اس کے باقی مال میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی خواہ یہ اس کے پاس بالکل موجود ہو، یا اس کے ذمہ باقی ہو، اگرچہ مال نصاب ختم ہو چکا، ہاں چاندی سونے اور مال تجارت کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا حکم وہی ہے، جو چرنے والے جانوروں کا ہے، اور اگر یہ قرض زمین کی پیداوار کا خراج ہو، تو یہ بھی قرض کے بقدر وجوب زکوٰۃ کو مانع ہے، اور یہ اسی صورت میں ہے جب خراج صحیح مقدار کے موافق لیا جائے، اور غلہ حاصل ہونے کے بعد سال پورا ہوتا ہو اور اگر غلہ حاصل ہونے سے پہلے سال پورا ہوتا ہے تو اس وقت جو خراج واجب ہوگا وہ مانع زکوٰۃ نہیں اور بغیر استحقاق کے[1] جو خراج وصول کیا جائے (یا تشخیص کیا جائے) وہ بھی مانع زکوٰۃ نہیں، ایسے ہی اگر عشری زمین میں غلہ کی پیداوار ہو اور

[1] کیوں کہ درحقیقت اس پر جو خراج لگایا گیا ہے۔ پیداوار کے لحاظ سے شرعاً وہ خراج اس پر واجب نہیں ہوتا تو گویا شرعاً اس پر کوئی قرض ہی واجب نہیں اب

کاشتکار اسے ضائع کردے تو اس عشر کے بموجب اس کے ذمہ غلہ کی ادائیگی فرض ہو جائے۔ تو یہ صورت اگر مال نصاب پر سال بھر گذرنے سے پہلے پیش آجائے اور اس کے بعد سال پورا ہو رہا ہو تو (اس نقد سرمایہ پر) زکوٰۃ عائد نہ ہوگی (تاتارخانیہ) یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ آدمی کے ذمے مہر واجب الادا ہو، خواہ مہر معجل[1] ہو یا مہر مؤجل ہو، کیوں کہ (بندوں کی جانب سے) اس کا بھی مطالبہ کیا جاسکتا ہے (محیط السرخسی) ظاہر مذہب کے لحاظ سے یہی حکم صحیح ہے شرح جامع الکبیر میں لکھتے ہیں، کہ ہمارے مشائخ کا قول ہے جس شخص کے ذمہ اپنی بیوی کا مہر مؤجل ہو اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا تو اس قرض کو مانع زکوٰۃ قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ بالعموم بیویاں اپنا مہر طلب نہیں کرتیں اور یہ قول عمدہ ہے (جواہر الفتاوی) بیوی کا نفقہ (اور روزمرہ کا خرچ) قرض تصور نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر قاضی کے فیصلے اور باہمی رضامندی سے اخراجات کی تعین وتحدید ہوئی ہو، تب یہ نفقہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع بن سکتا ہے اور یہ نفقہ قاضی کے حکم اور باہمی رضامندی سے ساقط بھی ہو جاتا ہے[2]۔ اسی طرح اگر رشتہ داروں کے نفقہ کی ادائیگی کے لئے قاضی تھوڑی مدت مثلاً مہینے سے کم مدت تجویز کرے تو یہ ایسا دین ہوگا جو وجوب زکوٰۃ کی مانع ہے اور اگر کوئی لمبی مدت تجویز کی گئی تو یہ دین شمار ہوگا۔ بلکہ ساقط ہو جائے گا۔ لہٰذا وجوب زکوٰۃ میں مانع بھی نہیں ہو سکتا (بدائع) اور حکم کی یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب صاحب نصاب کے ذمے وجوب زکوٰۃ سے پہلے یہ قرض ۔۔۔ ہو گیا ہو، اگر وجوب زکوٰۃ کے بعد مقروض ہوا تب زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی (الجوہرۃ نیرہ)

وہ دین جو درمیان سال میں آدمی کے ذمہ ہو جائے تو "عیون" کی صراحت کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک یہ وجوب زکوٰۃ میں مانع ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مانع نہیں ہوگا (محیط السرخسی) کسی شخص کے پاس کوئی تجارتی غلام موجود ہے اور وہ غلام مقروض ہے تو اس شخص کے ذمے اس غلام کی زکوٰۃ بقدر دین واجب نہیں ہوگی، ایک شخص پر دوسرے شخص کے ہزار روپے قرض ہیں ایک تیسرا آدمی مقروض کی منشا اور حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر اسکے قرض کا ضامن بن گیا اب مقروض اور ضامن ہر ایک کے پاس ہزار ہزار روپے موجود ہیں جن پر ایک سال گذر گیا تو ان میں کسی کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی، ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کے ہزار روپے چھین لئے ایک دوسرے شخص نے آکر اس پہلے شخص سے وہ روپے جھپٹ لئے اور خرچ کر دیئے اب دونوں غاصبوں کے پاس ایک ایک ہزار روپے موجود ہے اور اس پر سال گذر گیا تو پہلے غاصب پر ان ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرے غاصب پر نہ ہوگی (فتاوی قاضی خاں)

ایک شخص کے پاس ہزار روپے ہیں اور ایک ہزار روپے کا وہ مقروض ہے نیز اس کے پاس رہائشی مکان اور خادم جو دس ہزار روپے کی مالیت رکھتا ہے، مگر ان میں کوئی بھی کاروباری نوعیت کا نہیں تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی اسلئے کہ جتنا روپیہ اس کے پاس موجود ہے وہ اس کی حاجت اصل سے زائد ضرور ہیں اور وہ روپے کو منتقل کر سکتا ہے اور اس کو استعمال میں بھی لا سکتا ہے مگر یہ موجود

(بقیہ ص۹ پر) اگر سرکاری کارندے ناحق کوئی مقدار وصول کرتے ہیں وہ بلاشبہ ظلم ہے۔ مگر مسئلہ کی قانونی نوعیت بہرحال اس طرح بدلے گی نہیں۔"

[1] ایک مہر فوری واجب الادا ہوتا ہے۔ جسے مہر معجل کہتے ہیں، ایک مہر جو فوری واجب الادا نہیں ہوتا اسے مہر مؤجل کہتے ہیں

[2] اس لئے عام حالات میں بیوی کا نفقہ اگر واجب الادا ہے، تو اس کو ایسا دین شمار نہیں کیا جائے گا۔ جس کی موجودگی وجوب زکوٰۃ کو ختم کر دیتی ہو

سرمایہ (اس قرض سے آزاد نہیں (جو اس سرمایہ کے بقدر اس کے ذمے ہے) جہاں تک مکان اور خادم کا تعلق ہے تو وہ اس کی بنیادی ضرورت میں داخل ہے قرض کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا (یہی وجہ ہے کہ اس صورتِ حال کے ماتحت) جو شخص گھر اور خادم رکھتا ہو اسے صدقہ لینے کی ممانعت نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں اس کی ضروریاتِ زندگی کو پورا نہیں کرتیں بلکہ اور کچھ بڑھا دیتی ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے اس (مشہور) قول کا یہی مطلب ہے، کہ کسی آدمی کے پاس دس ہزار روپے بھی ہوں تو کبھی اس وقت بھی اس کے لیے صدقہ لینا جائز ہو جاتا ہے، سوال ہوا یہ کیسے؟ فرمایا آدمی کے پاس گھر بھی ہوتا ہے، خادم اور ہتھیار بھی ہوتے ہیں مگر ان کی فروختگی ممنوع ہو تو وہ لامحالہ اتنی ملکیت کے باوجود محتاج ہی کی حیثیت میں آجاتا ہے) اسی (وجہ) کے تحت ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ عالم کے پاس بڑی قیمت کی کتابیں موجود ہوں لیکن وہ اس کی ہر وقت کی ضرورت کی کتابیں ہوں تو ایسی صورت میں (جب کہ اس کے پاس کوئی اور مال موجود نہیں) اس کو صدقہ لینے کی اجازت ہے، ہاں حاجت سے زیادہ (دو سو درہم کے بقدر) مالِ نصاب اس کے پاس ہو تو اس کو صدقہ لینا جائز نہیں (شرح المبسوط السرخسی)

کتابیں حاجتِ اصلیہ سے زائد اس وقت شمار ہوں گی جب ایک کتاب کے دو نسخے موجود ہوں بعض نے تین نسخوں کی تعیین[1] کی ہے مگر مختار یہی پہلا قول ہے (فتح القدیر)

اور جب کہ دین باقی نہ رہے مثلاً قرض خواہ مقروض کو قرض معاف کر دے تو جس وقت اس نے قرض معاف کیا ہے اس وقت سے سالِ زکوٰۃ کی ابتداء سمجھی جائے گی اور امام محمدؒ کے نزدیک جب (بھی) اس مقروض کے سالِ نصاب کے مطابق (پہلا سال پورا ہو جائے گا زکوٰۃ اسی وقت زکوٰۃ واجب ہو جائے گی[2] (خواہ اس کا قرض کسی وقت بھی معاف ہوا ہو) (فتح القدیر الکافی) اس کے علاوہ جس قرض کا مطالبہ بندوں کی جانب سے نہ ہو وہ وجوبِ زکوٰۃ میں مانع نہیں، جیسے نذر، کفارہ، صدقہ فطر اور حج، جیسے شرعی مطالبات (محیط السرخسی) لقطہ[3] کا ضمان بھی مانع زکوٰۃ نہیں اسی طرح اگر کسی شئے کے (باقی رہنے اور) قبضہ سے نہ نکلنے کی ضمانت اس وقت تک مانع زکوٰۃ نہ ہوگی جب تک کوئی اس شئے کا کوئی حقدار نہ پیدا ہو (تاتارخانیہ) فقہاء نے اس سلسلے میں یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فروخت شدہ چیز کی ضمانت لینا ہو بائع سے وہ اس شئے کو وصول کرنے اور قبضہ میں لینے کا ذمہ دار ہے پھر اگر سال بھر کے اندر اندر اس شئے کا کوئی حقدار نکل آیا تو اس صورت میں ضامن پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ اور اگر سال

---

[1] دو یا تین نسخوں کی تعیین اس وقت کارآمد ہے، جب ان نسخوں میں کوئی جوہری فرق موجود نہ ہو، مثلاً ایک ہی کتاب کے تین یا چار حاشیے ہیں۔ اس وقت وہ الگ الگ کتابوں جیسی حیثیت رکھیں گے اور ان کو حاجتِ اصلیہ سے زائد شمار نہیں کیا جائے گا اگرچہ ابن عابدین نے صرف ایک نسخہ کو حاجت اصلی میں شمار کیا ہے اور ایک ہی نسخے والے قول کو ترجیح دی ہے۔

[2] صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص شوال ۱۳۸۴ھ میں ایک ہزار روپے قرض لیا، شوال ۱۳۸۵ھ تک وہ یہ قرض ادا نہ کر سکا، ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ میں اس شخص کو جس شخص نے یہ روپیہ دیا تھا کل قرض معاف کر دیا، اب امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ سے اس روپیہ کا سالِ نصاب شروع ہوگا اور شوال ۱۳۸۶ھ تک اس روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی امام محمدؒ کے نزدیک جب مقروض شخص کا اپنا سالِ نصاب شمار ہوتا ہو اس وقت سے سالِ نصاب شمار ہوگا مثلاً امام محمدؒ کے نزدیک اس کا سالِ نصاب محرم سے شروع ہوتا ہے، تو اس کو اس معاف شدہ قرض کی زکوٰۃ شوال ۱۳۸۶ھ میں دینے کے بجائے محرم ۱۳۸۶ھ میں ادا کرنا ہوگی البتہ یہ شرط ہے کہ وہ قرض لیا ہوا روپیہ بجنسہ یا کسی مالیت میں منتقل ہو کر اس کے پاس موجود ہو اگر وہ روپیہ اس نے خرچ کر دیا تو اب اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی، کیوں کہ زکوٰۃ کے لئے مال کا موجود ہونا شرطِ اول ہے۔

[3] راہ میں کسی گری پڑی چیز کو شرعی اصطلاح میں لقطہ کہا جاتا ہے۔

بھر کر بعد کوئی حق دار پیدا ہوا تو اس سال گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی[1] (بدائع) اگر ایک صاحب سرمایہ کے پاس (سرمایہ کی مختلف نوعیتیں ہوں اور اس کے تحت زکوٰۃ کے) متعدد نصاب واجب الادا ہوں، مگر اسی کے ساتھ اس پر قرض بھی ہو تو اس صورت میں قرض کا تعلق سب سے پہلے نقد سرمایہ سے ہوگا[2] اس کے بعد جو قرض باقی رہے گا، وہ مالِ تجارت سے، اور پھر کچھ قرض رہ جائے تو ان مویشیوں سے متعلق ہوگا جو جنگل میں چرتے ہیں[3]، اور اگر یہ مویشی مختلف جنس کے ہوں تو اس جنس سے متعلق ہوگا جس کی زکوٰۃ کم ہے اور اگر (اتفاقاً) زکوٰۃ کے اعتبار سے سب برابر ہیں، پھر اسے اختیار ہے اس قرض کو جس جنس سے چاہے متعلق کر دے (التبیین) اور یہ اس صورت میں ہے جب صدقہ وصول کرنے والا سرکاری کارندہ موجود ہو اور اگر سرکاری وصولیابی کا نظم نہیں تو پھر اس کو اپنے مال میں اختیار ہے چاہے قرض کو جانوروں سے متعلق رکھے اور نقد سرمائے کی زکوٰۃ دے اور چاہے اس کے برعکس، کیوں کہ مال والے کے لئے دونوں چیزیں برابر ہیں، سرکاری زکوٰۃ وصول کنندہ کو یہ حق نہیں کیونکہ اس کو جانوروں کی زکوٰۃ لینے کی اجازت ہے نہ کہ نقد سرمائے کی اس بنا پر وہ قرض کا تعلق نقد سرمائے سے جوڑتا ہے اور جانوروں کی زکوٰۃ لیتا ہے (المبسوط سرخسی)

ایک شخص کے پاس دو سو روپے نقد اور ایک خدمت گار غلام موجود ہے، اب وہ نکاح کرتا ہے اور نکاح کا مہر اس غلام کی قیمت کے برابر قرار پاتا ہے، نیز اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کچھ گیہوں بھی ادھار لیتا ہے اور (سال بھر تک) یہ چیزیں اس کے پاس موجود رہتی ہیں، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ اس صورت میں قرض کا تعلق نقد اور مالِ فارغ (دونوں) سے ہوگا امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے قرض کا تعلق اس کی (اپنی) جنس سے ہوگا (دوسرے سرمایہ سے نہ ہوگا) (کافی)

وجوب زکوٰۃ کی **آٹھویں شرط** یہ ہے کہ صاحبِ سرمائے کا مالِ نصاب نمو پذیر اور بڑھنے والا ہو، اب یہ نمو پیدائشی اور نسل کشی کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی نوعیت سے بھی، ان دونوں حیثیتوں سے ہونے والی ترقی اور نمو کو حقیقی بڑھوتری شمار کیا جائے گا، مال کے بڑھنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ حقیقتاً تو وہ نمو پذیر نہ ہو مگر معناً اسے حقیقی نمو تصور کیا جائے گا، وہ اس طرح کہ صاحب سرمایہ اپنے اس سرمایہ کو

---

[1] صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک تاجر نے دوسرے تاجر سے کوئی مال خریدا اور بعض وجوہ سے وہ فی الحال اس پر قبضہ نہ کر سکا مگر اطمینان واعتماد کے لئے اس فروخت کنندہ کی جانب سے کسی معتمد اور ذمہ دار شخص نے خریدار کو یہ ضمانت دی کہ اگر یہ فروخت شدہ مال اس تاجر نے تمہارے قبضہ میں نہ دیا تو میں قبضہ دلانے یا اس کا معاوضہ دینے کا ذمہ دار ہوں، پھر اگر سال بھر کے اندر اندر کوئی دوسرا شخص اس فروخت شدہ مال کا دعویٰ دار یا اس کے کسی جز کی ملکیت کا مدعی بن کر سامنے آیا تو وہ ضامن جو زرِ ضمانت ادا کرے گا اس پر زکوٰۃ لاگو نہ ہوگی، ہاں اگر ایسا اتفاق ہوا کہ سال بھر تک وہ مال خریدار کے قبضہ میں نہ پہنچ سکا تو اب اگر کوئی حق دار پیدا ہوتا ہے تو چوں کہ ضامن کے اپنے مال پر ایک سال گذر گیا اس لئے جہاں اسکے اور مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی وہاں اس زرِ ضمانت پر بھی سالِ گذشتہ کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی،

[2] مطلب یہ ہے کہ قرض کی موجودگی میں چوں کہ زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے اس لئے قرض کی وجہ سے مذکورہ تفصیل کے مطابق سرمائے کی کسی نہ کسی نوع سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی

[3] سائمہ یہ وہ جانور ہیں جو نسل کشی کے لئے یا دودھ حاصل کرنے کے لئے یا پرورش کیلئے پالے جاتے ہیں اور سال کے سال جنگل میں چرتے ہیں،، [4] نقد سرمائے کے علاوہ غلام اور گیہوں مالِ فارغ کی یعنی زائد مال کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے قرض کا بار اس کی کل مالیت اور ملک پر ڈالا جائے گا، اور مقروض شمار ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب نہ ہوگی [5] امام زفرؒ کی رائے میں قرض کا تعلق اس جنس سے ہوگا جس جنس کا آدمی نے قرض لیا ہے یعنی نکاح کا مہر غلام کی ہم قیمت ہونے کی حیثیت سے صرف غلام پر اثر انداز ہوگا اسی طرح گیہوں کا قرض بھی نقد سرمائے پر اثر انداز نہیں ہوگا، لہٰذا اس کے پاس دو سو روپے کا نقد سرمایہ ہے اسی پر زکوٰۃ سال بھر گذرنے کے بعد واجب ہو جائے گی اس کی کل ملکیت و مالیت پر اس کے قرض دار ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بڑھانے کی قدرت رکھتا ہو خواہ وہ مال اس کے اپنے قبضہ میں ہو خواہ اس کے کسی قائم مقام کے، یہ مال جو اپنے معنیٰ کے اعتبار سے گویا حقیقتاً نصاب ثانی ہے دو طرح کا ہوتا ہے (خلقی) اور (فعلی) جیسا کہ تبیین نے صراحت کی ہے مالِ خلقی سے مراد سونا اور چاندی ہے کیوں کہ یہ دونوں دھاتیں اپنی ذات سے انسانی ضروریات پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں لہٰذا ان میں بہر حال زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ یہ تجارتی مقصد کے لئے ہوں یا ذاتی اخراجات کے لئے ہوں، یا کوئی مقصد پیش نظر نہ ہو، مالِ فعلی ان دونوں کے علاوہ ہر طرح کا سرمایہ ہے البتہ اس سرمائے میں بڑھوتری تجارت کی یا مویشیوں کے چرانے کی نیت ہونی چاہیئے اور نیت و تجارت واسامتہ صرف ذہنی نہ ہو بلکہ بالفعل اس نیت کے ساتھ ہی ساتھ کاروبار تجارت واسامتہ موجود بھی ہو، ہاں کاروباری ارادہ کبھی واضح اور صاف معلوم ہوتا ہے اور کبھی قرائن سے اس ارادہ کا پتہ چلتا ہے، صریح اور واضح ارادہ یہ ہے کہ تجارتی معاملہ شروع کرتے وقت یہ نیت کرے کہ یہ غلام (یا یہ آلات صنعت) تجارت کے لئے ہے، اب یہ معاملہ خواہ خرید و فروخت کا ہو یا کرائے کا ہو (خواہ نقد لین دین کا ہو یا چیز کے بدلے چیز دینے کا، اور جو تجارتی ارادہ صراحتاً نہ ہو بلکہ قرائن سے اس کا پتہ چلتا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مالِ عینی[2] سامانِ تجارت کے عوض خریدے، یا اپنا وہ مکان جو تجارتی مقصد کے لئے تھا کسی سامان کے عوض کرائے پر دیدے تو یہ تجارت شمار ہوگا (اور اسے اس کی کاروباری نیت سمجھا جائے گا) اگرچہ وہ صاف طور پر تجارت کی نیت نہ کرے لیکن بدائع میں ہے کہ تجارتی مال کے منافع کے عوض جو مال لیا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے، اصل کی کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ تجارت کی نیت بھی ہو تب بھی وہ مال تجارت شمار ہوگا اور جامع (عبارت) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیت پر موقوف ہے تو گویا اس مسئلے میں دو روایتیں ہو گئیں اور مشایخ بلخ جامع کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں اگر کوئی چیز ملکیت میں بغیر کسی تبادلے کے آجائے، جیسے وصیت اور صدقہ، یا اس کی طرف کسی شئے کی ملکیت اس طرح منتقل ہو کہ اس کے تبادلہ میں مال کے علاوہ کوئی اور چیز ملے، جیسے مہر کی رقم، خلع کا معاوضہ، قتل عمد پر کوئی مصالحتی بدل اور غلام کو آزاد کرنے کا عوض، ایسی ملکیت میں تجارت کی نیت صحیح نہیں ہے اور یہی سب سے صحیح قول ہے (بحر الرائق)

اگر وارثوں نے مالِ تجارت اور چرنے والے جانوروں میں مورث کے مرنے کے بعد تجارت کی حیثیت اور سائمہ[1] کی حیثیت باقی رکھنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر یہ نیت نہیں کی تو بعض کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور بعض کے نزدیک نہ ہوگی (محیط السرخسی)

اگر ایک باندی تجارت کے لئے خریدی اور پھر اس کو خدمت کے لئے مخصوص کرنے کی نیت ہو گئی تو اس باندی کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، (زاہدی) مال نامی کے لئے یہ بات شرط ہے کہ مال خود مالک کے یا اس کے کسی قائم مقام کے قبضے میں ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اس مال پر زکوٰۃ نہ ہوگی اور یہ مال ضمار کی طرح ہو جائے گا جیسا کہ تبیین میں لکھا ہے اور مالِ ضمار وہ مال ہے کہ اصل مالک کی اس پر ملکیت باقی ہو مگر وہ اس کے قبضہ تصرف میں نہ ہو اور اس کے لوٹنے کی موہوم سی امید ہو (محیط) مالِ ضمار وہ قرضہ بھی ہے جس کی ادائیگی یا جس کے وجود سے مقروض انکاری ہو اور وہ مقروض کی بھی ہے بشرطیکہ ان پر کوئی گواہ نہ ہو اگر کوئی گواہ ہو تو قرضے پر بھی اور مال مغصوبہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ چرنے والے جانوروں کو اگر کوئی غصب کرلے جائے تو غاصب کے اقرار کے باوجود اصل مالک کے ذمہ ان مغصوبہ جانوروں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اسی طرح گمشدہ مال بھاگا ہوا (غلام) تاوان میں دیا ہوا، یا سمندر میں غرق شدہ مال، صحرا میں مدفون (خزانہ) جس کا ٹھکانا یاد نہ رہا ہو مالِ ضمار شمار ہوگا، ہاں دفینہ اگر کسی محفوظ جگہ ہو اگرچہ وہ کسی غیر شخص کے مکان میں ہو اور وہ پھر اس کے اصل مقام کو بھول جائے تو اس صورت میں یہ دفینہ مال ضمار شمار نہیں ہوگا (بحر الرائق) اگر یہ مال اس کی (اپنی) زمین میں، یا اس کے باغ میں دفن تھا تو بعض کے نزدیک زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اپنی

[1] اس سے جنگل میں چرنے والے جانور مراد ہیں
[2] یعنی سامانِ تجارت دے کر اس کے بدلے میں کوئی چیز خریدی،

ساری زمین میں (ہر جگہ) کھدائی کرسکتا ہے، اور بعض کے نزدیک زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ ساری زمین کو کھودنا دشوار ہے، گھر کا اور کسی گھیر کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اس میں مدفون خزانہ ڈھونڈ نکالنا کچھ مشکل نہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی گھیر اور کوئی احاطہ لمبا چوڑا ہو تو نصاب زکوٰۃ اس پر قائم نہ ہوگا۔ اگر مقروض انکاری ہوا اور قرض کے گواہ غیر عادل ہوں تو بعض کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی (الکافی)

اگر ایسا قرض ہو جس سے مقروض انکاری ہوا اور اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو پھر کچھ سالوں کے بعد گواہ فراہم ہوگئے، مثلاً مقروض نے لوگوں کے سامنے قرض کا اعتراف کرلیا ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی (التبیین) اگر قاضی قرض سے واقف ہے تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جس قرض کو مقروض نے تسلیم کرلیا ہو اس پر زکوٰۃ ہر حال میں واجب ہے، خواہ (مقروض سرمایہ دار ہو، تنگدست ہو یا مفلس ہو) اور اگر کسی (ایسے) مفلس کے ذمہ قرض ہو جس کو قاضی نے (باضابطہ) مفلس قرار دے دیا ہو اور چند سال کے بعد اس مقروض سے وہ قرض وصول ہو جائے تو امام اعظم اور امام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس شخص پر واجب ہوگی (الجامع الصغیر لقاضی خاں) اور اگر کوئی ایسا مقروض ہو جو پوشیدگی میں تو قرض کا اقرار کرتا ہو اور لوگوں کے سامنے انکاری ہو تو وہ قرض نصاب نہیں بن سکتا، مقروض نے پہلے تو اقرار کیا مگر قاضی کے سامنے انکار کردیا تو اگر اس قرض پر مدعی نے گواہ پیش کئے ہوں پھر ان کی عدالت اور شہادت کے قابل قبول ہونے کا ثبوت فراہم کرنے میں کچھ وقت صرف ہو جائے اور وہ گواہ عادل نکلیں تو مقروض کے انکار کرنے سے لے کر قاضی کے یہاں گواہوں کی عدالت ثابت ہونے تک کا جو عرصہ گذرا ہے اس مدت کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی (فتاویٰ قاضی خاں)

اگر مقروض فرار ہو جائے اور صاحب سرمایہ خود یا کسی وکیل کے ذریعہ اس کو تلاش کرنے پر قادر ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر یہ قدرت نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی (محیط السرخسی) بہرحال وہ تمام قرضے جو اقراری اور مقروض کے نزدیک تسلیم شدہ ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی تین قسمیں ہیں، دین ضعیف ہر وہ قرض ہے کہ بغیر کسی اپنے فعل کے اور بلا کسی عوض کے آدمی اس کا مالک ہو جائے جیسے میراث کا مال، یا اپنے فعل کے نتیجے میں آدمی کسی مال کا مالک ہو مگر وہ کسی چیز کا بدل محض نہ ہو، جیسے وصیت، یا اپنے فعل سے آدمی کسی مال کا مالک ہو، جو ہو تو معاوضے اور بدل کی حیثیت سے، مگر وہ بدل مال کے علاوہ کوئی اور چیز ہو جیسے مہر خلع کا بدل اور وہ مال جو قتل عمد پر مصالحت کے نتیجے میں حاصل ہوا اور دیت[1] (کا مال) اور کتابت کا عوض، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب تک یہ مال قبضہ میں نہ آجائیں اس وقت تک ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی اور قبضے کے بعد ان کا نصاب تام ہو، اور سال بھر گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسرا دین وہ ہے جو درمیانی ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ وہ اس مال کے عوض واجب ہو جو تجارتی نہ ہو، جیسے وہ غلام جو محض خدمت کے لئے ہوں اور استعمالی کپڑے جب اس نوع کا مال دوسو درہم کی مالیت کے بقدر اس کے قبضہ میں آجائے تو اصل کی روایت کے مطابق وہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے گا،

دین کی تیسری قسم دین قوی ہے وہ یہ کہ تجارتی مال کے عوض دین واجب ہو اس دین میں جب چالیس درہم کے بقدر مالیت اس کے قبضہ میں آجائے، تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے گا (زاہدی)

وجوب زکوٰۃ کی **نویں شرط** مال نصاب پر ایک سال گذر جانا ہے اور زکوٰۃ کا سال قمری تاریخ کے حساب سے شمار ہوگا (کسی اور تقویم سے

---

[1] خون کردینے اور جان سے ماردینے کا مالی معاوضہ یہ اس صورت میں ہوتا ہے، جب مقتول کے ورثا جان کے بدلے میں جان لینے کے عوض مال لینے پر راضی ہو جائیں۔

سال کا حساب نہیں کیا جائے گا (قنیہ) اگر سال کے ابتدا و انتہا میں مالِ نصاب کامل طور پر موجود ہے تو درمیان سال میں کسی قسم کی کمی واقع ہونے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی (ہدایہ) اگر مالِ تجارت کا یا سونے چاندی کا ایسی چیز سے تبادلہ کیا جو اس کی جنس سے یا غیر جنس سے ہو تو سالِ نصاب کا حکم اس پر بدستور باقی رہے گا اور سال منقطع نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر سائمہ (چرنے والے جانوروں) کا تبادلہ اس کی جنس سے یا غیر جنس سے کیا تو اس صورت میں سالِ نصاب کا حکم باقی نہ رہے گا (محیط السرخسی)

کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال تھا، درمیانی سال میں اسی جنس کا کچھ مال اسے مزید حاصل ہو گیا تو اس کو اپنے مال میں ملا لے اور اس کی زکوٰۃ دے، خواہ یہ مزید سرمایہ گذشتہ سرمایہ کی پیداوار ہو یا نہ ہو اور کسی بھی ذریعہ سے اس کی ملکیت میں آیا ہو، میراث کی صورت میں آیا ہو یا ہبہ وغیرہ کی (ہر صورت میں پچھلے مال کے ساتھ اس کو ملا کر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی) اس کے برعکس اگر پورے طور پر یہ نیا سرمایہ سابقہ سرمایہ (سے مختلف ہو اور اس کی ہم جنس سے کوئی علاقہ نہ رکھتا ہو، جیسے پہلے بکریوں کا ریوڑ تھا اب بعد میں اونٹوں کا گلہ بھی ہو گیا، تو اب بکریوں کے ساتھ اونٹ شامل نہیں کئے جائیں گے (الجوہرۃ النیرہ) سال گذر جانے کے بعد نیا سرمایہ حاصل ہو تو اب اس نئے سرمایہ کو سابقہ سرمایہ میں شامل نہ کیا جائے، بلکہ سب کے نزدیک از سرِ نو اس کا سالِ نصاب شمار ہوگا (شرح طحطاوی) احناف کے نزدیک اگر پہلے سے پورا مالِ نصاب موجود ہے تب نئے آنے والے سرمایہ کو اس میں شامل کیا جائے گا ورنہ سابقہ سرمایہ مقدار نصاب سے کم ہے تو اس مزید سرمائے کو اس میں شامل نہیں کریں گے اگرچہ اس قدیم و جدید سرمائے کے اجتماع سے نصاب کی مقدار پوری ہو جاتی ہو۔ ہاں جب بھی سرمایہ جمع ہوتے ہوتے مقدار نصاب کو پہنچ جائے گا، اسی وقت سے سالِ نصاب کا آغاز ہو جائے گا (بدائع) اگر ایک شخص کے پاس سائمہ کا نصاب تھا اور سال بھر گذر جانے کے بعد اس نے اس کی زکوٰۃ دی، پھر اسے درہم کے عوض فروخت کر دیا، اس کے ساتھ اس کے پاس درہم بھی بقدر نصاب موجود تھا اور اس نصاب پر ابھی نصف سال گذرا تھا اس صورت میں فروخت کردہ جانوروں کی قیمت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان درہموں کے نصاب میں شامل نہیں کی جائے گی بلکہ اس (فروخت سے حاصل شدہ نقد روپیہ) کا مستقل سال شروع ہوگا۔ مگر امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ قیمت ان درہموں کے نصاب میں شامل کر لی جائے گی (اور اس کی زکوٰۃ اسی نصاب درہم کے ساتھ دی جائے گی) البتہ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب جانوروں کی قیمت بذاتِ خود نصاب کامل کو پہنچ جائے اور جب وہ نصاب تک پہنچتی ہو تو بالاتفاق سب کے نزدیک یہ قیمت ان درہموں کے نصاب میں شامل کر لی جائے گی جن کے نصاب پر نصف سال گذر چکا ہے (جوہرہ نیرہ)

جس غلے کا عشر ادا کر دیا گیا ہو اس کی قیمت اس غلام کی قیمت میں بالاتفاق شامل کر لی جائے گی جس کا صدقہ فطر دیا جا چکا ہو۔ اگر سالِ نصاب پورا ہونے سے پہلے مویشیوں کو مویشیوں کے یا نقد روپے کے عوض فروخت کر دیا تو ان کی قیمت سب کے نزدیک اس کی ہم جنس میں شامل کر لی جائے، اس طرح کہ روپیہ کو روپوں میں اور جانوروں کو جانوروں کے ساتھ شامل کر دیا جائے، اگر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ دے دی اس کے بعد انہیں اپنے پاس سے چارہ کھلانا شروع کیا اور پھر انہیں فروخت کر دیا تو ان کی قیمت سب کے نزدیک (اصل نصاب میں) ملالی جائے (سراج الوہاج) ایک شخص کے پاس کچھ زمین ہے، اس نے اس کا خراج ادا کرنے کے بعد اسے فروخت کر دیا تو اس کی قیمت اصل نصاب میں شامل کر لی جائے گی، (البدائع) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس روپیہ سے سائمہ خرید لئے اور اس کے پاس پہلے سے اس کی جنس سے سائمہ موجود ہیں، تو ان نئے خریدے ہوئے جانوروں کو پچھلے گلے میں شامل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ یہ جانور اس مال کا بدل ہیں، جس کی زکوٰۃ ادا کی جا چکی، ایک شخص کو کسی نے ہزار روپیہ بطور ہبہ دیا، اس نے سال کے اندر اندر اس روپے سے مزید ایک ہزار روپیہ پیدا کر لیا، اس کے بعد روپیہ ہبہ کرنے والے نے قاضی کے فیصلے کے بموجب ہبہ سے رجوع کر لیا اور اپنا دیا ہوا روپیہ واپس لے لیا تو اس صورت میں اس شخص نے جو ایک ہزار روپیہ کا منافع ہبہ کی ہوئی رقم سے کمایا ہے اس پر اس وقت

تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب تک اس منافع پر اس کی ملکیت میں آئے ہوئے سال بھر پورا نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل رقم جو ہبہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی تھی اُسی کے پاس سے واپس چلی گئی، اور اس کا سال باطل ہو گیا تو جو رقم اس اصل رقم کے تابع تھی (اور اس کے ضمن میں بطور منافع آئی تھی) اس کا سال بھی ختم ہو گیا (اصل پر زکوٰۃ نہ رہی تو ضمنی شے پر بھی واجب نہیں ہوئی) ایک شخص کے پاس دوسو درہم ہیں اور اس رقم پر ایکدن کم تین سال گذر گئے، پھر اس کے پاس پانچ درہم اور آئے تو اب اسے صرف پہلے سال کے پانچ درہم زکوٰۃ میں دینے ہوں گے۔ اسی لئے پہلے سال کی زکوٰۃ نکالنے کے بعد دوسرے اور تیسرے سال (دین زکوٰۃ واجب ہونے کی وجہ سے دوسو درہم کا نصاب باقی نہیں رہا (محیط سرخسی)

ایک شخص کے پاس دوسو درہم کی مالیت کا بکریوں کا ریوڑ تھا، اتفاق سے وہ سال بھر گذرنے سے پہلے مر گئیں، اس شخص نے ان کی کھال اتار کر انھیں رنگ لیا اور اب ان کھالوں کی قیمت نصاب شرعی کے برابر ہو گئی پھر بکریوں کا سالِ نصاب بھی پورا ہو گیا، تو اب ان رنگی ہوئی کھالوں پر زکوٰۃ واجب ہو گی کسی شخص کے پاس کاروباری مقصد کے لئے انگور کے شیرے کا ذخیرہ سال بھر گذرنے سے پہلے وہ شراب میں تبدیل ہو گیا اور اس کے بعد اس کا سرکہ بن گیا، جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو گی اس کے ساتھ ساتھ شیرہ کا جو سالِ نصاب چالو تھا وہ بھی پورا ہو گیا تو اب اس سرکہ پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ فقہاء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے، کہ پہلے مسئلہ میں بکریوں کی اون اپنی قیمت رکھتی تھی وہ بدستور ان کے مرنے کے بعد بھی) سال بھر تک باقی رہی اور دوسرے مسئلہ میں کل مال (جو شیرۂ انگور کی شکل میں تھا) ختم ہو گیا اور ایک دوسری چیز بن گئی اس لئے سال کا حکم بھی اس پر باقی نہ رہا (فتاویٰ قاضی خاں)

مالک نصاب ہونے کے بعد سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ دے دینا جائز ہے، ہاں نصاب پورا ہونے سے پہلے دینا درست نہیں (خلاصہ) پیشگی زکوٰۃ دینے کے لئے تین شرطوں کا لحاظ ضروری ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ پیشگی زکوٰۃ نکالنے وقت سالِ نصاب شروع ہو گیا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ جس نصاب کی زکوٰۃ دیجارہی ہے وہ اختتام سال پر ناقص نہ ہو جائے، تیسری شرط یہ ہے کہ درمیانی سال میں اصل نصاب ضائع نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس سونا یا چاندی، یا تجارتی مال کا نصاب دوسو درہم سے کچھ کم مقدار میں موجود ہے مگر اس نے اس کی زکوٰۃ پیشگی دے دی اور نصاب بعد میں پورا ہوا یا یہ صورت ہوئی کہ نقد دوسو درہم یا دوسو درہم کا تجارتی مال موجود تھا، اس شخص نے زکوٰۃ کے پانچ درہم خیرات کر دیئے اور (ان پانچ درہم نکل جانے کی وجہ سے) نصاب پورا نہ رہا اور اسی ناقص نصاب پر سال بھر گذر گیا یا یہ صورت ہوئی کہ پیشگی زکوٰۃ دینے کے وقت نصاب تو پورا تھا مگر بعد میں (سال پورا ہونے سے پیشتر) یہ پورا نصاب کسی طرح ضائع ہو گیا، تو اب جو رقم زکوٰۃ کے طور پر دی تھی وہ صدقہ شمار ہو گی (شرح الطحاوی) جس طرح ایک نصاب کی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح متعدد نصاب اگر ہوں تو ان کی زکوٰۃ بھی پیشگی ادا کی جا سکتی ہے (فتاویٰ قاضی خاں)

ایک شخص کے پاس دوسو درہم ہیں، مگر اس نے پیشگی ہزار درہم کی زکوٰۃ دے ڈالی تو اب (سال کے اندر اندر) اس کے پاس مزید کچھ مال آ گیا یا اسی موجودہ سرمائے سے اس نے اتنا نفع کما لیا تو جب سال پورا ہوا اس کے پاس ہزار روپے موجود تھے اس صورت میں پیشگی زکوٰۃ درست ہو گی اور اس کے ذمے سے ہزار روپے کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، ہاں اگر یہ صورت ہوئی کہ (پیشگی زکوٰۃ دینے کے بعد) سال پورا ہو گیا، اور اس دوران میں اس کے پاس کوئی مال نہ آیا، بلکہ سال گذرنے کے بعد اسے کوئی مزید سرمایہ بہم پہنچا تو اب ہزار روپے کی پیشگی زکوٰۃ کافی نہ ہو گی، نیا مال حاصل ہونے کے بعد اس پر سال بھر گذر جائے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی (بحر الرائق) چوں کہ سبب وجوب زکوٰۃ موجود ہے اس لئے ایک سال سے زیادہ کی بھی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے (ہدایہ) اگر دو ہزار کی زکوٰۃ دی اور اس کے پاس ہزار درہم موجود ہیں اور نیت یہ کی کہ اگر ایک ہزار درہم اس سال میں میرے پاس آ جائیں تو یہ اس کی پیشگی زکوٰۃ ہے ورنہ اسی ایک ہزار کی اگلے سال کی زکوٰۃ ہو جائے گی تو یہ نیت درست ہو گی، ایک شخص کے پاس چار سو درہم ہیں مگر اسے یہ خیال ہے کہ پانسو ہیں اور اس نے پانسو ہی کی زکوٰۃ دے دی پھر اسے پتہ چلا

تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ زکوٰۃ کی زائد دی ہوئی رقم کو سالِ آئندہ میں شمار کرے (محیط السرخسی) ایک شخص کے پاس سونا اور چاندی (دونوں الگ الگ) اپنی مقدار نصاب کے مطابق موجود ہیں اس نے ان میں سے کسی ایک نصاب کی زکوٰۃ پیشگی دے دی تو یہ سونا اور چاندی کے ہر دو نصاب کی زکوٰۃ شمار ہوگی[۱]. دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہیں اسی بنا پر ان میں سے کسی ایک کی تعیین لغو اور بیکار ہے اور دونوں کے ایک جنس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دونوں چیزوں کو زکوٰۃ کے حساب میں ملا کر پھر ان کی اکٹھی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے[۲] البتہ سونے یا چاندی میں سے کوئی ایک نصاب ضائع ہو جائے تو پھر وہ اداشدہ زکوٰۃ دوسرے موجودہ نصاب کی شمار ہوگی (کافی)

اگر مختلف حیوانات کے متعدد نصاب ایک شخص کے پاس ہیں اور اس نے ان میں سے بعض کی زکوٰۃ پیشگی دے دی، مگر جن کی زکوٰۃ دی تھی وہ جانور ہلاک اور ختم ہو گئے تو اب دی ہوئی زکوٰۃ ان جانوروں کی جانب سے شمار نہ ہو سکے گی، جو اس کے پاس اب موجود ہیں (محیط السرخسی) اگر کسی محتاج کو پیشگی زکوٰۃ دے دی اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ محتاج شخص دولت مند بن گیا یا اس کا انتقال ہو گیا، یا اسلام سے پھر گیا تو جو زکوٰۃ اس کو دی تھی وہ جائز (اپنے صرف) ہوئی (اور ادا ہو گئی) (سراج الوہاج) کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ مر جائے تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ موت کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی (اور ورثا کے ذمے اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی)

دوسرا باب سائمہ کی زکوٰۃ

زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے وجوب اور متعلقہ احکام بیان کرنے کے بعد اب ان چیزوں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے. فقہا نے ان چیزوں کو احادیث کی روشنی میں چند مستقل عنوانات کے تحت بیان کیا ہے زکوٰۃ دراصل اس سرمائے اور مالیت پر عائد ہوتی ہے جہاں انسان کی بنیادی ضروریات کی حد ختم ہو جاتی ہے، اسلام اور انبیاءؑ کی آمد کا مقصد آخرت کی تیاری اور دنیا کی اصلاح ہے آخرت کی تیاری کے لئے تین عبادتیں مخصوص ہیں جو انسان سے اللہ تعالیٰ کا تعلق جوڑتی ہیں، اور اس میں آخرت کا شعور اور اخروی زندگی کی براہ راست محبت اور تڑپ پیدا کرتی ہیں یہ نماز روزہ اور حج کی عبادتیں ہیں، دو عبادتوں زکوٰۃ و جہاد حدود و تعزیرات اور دوسرے اخلاق و معاملات کا اولین رابطہ دنیا سے ہے ان کو ٹھیک ٹھیک مقررہ ہدایات کے تحت اسلامی اسپرٹ کی روشنی میں کوئی شخص یا جماعت سرانجام دے تو دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سکون پیدا ہوگا، اس لئے خداوند قدوس نے جو خود فطرۃ انسانی کا خالق اور اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہے سرمائے سے انسان کی محبت اور وابستگی کو حدود آشنا کرنے کے لئے کچھ پابندیاں عائد کر دی ہیں تاکہ ایک طرف خود انسان اس سرمائے کو کلیتاً اپنی ملک سمجھ کر خود مختارانہ تصرف سے باز رہے اور اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھ کر اس کی ہدایات کے مطابق سرمائے کو ٹھکانے لگائے اور دوسری طرف خود معاشرہ اور سوسائٹی شخصی دولت و سرمائے کی فراوانی اور سرمایہ پرستانہ ذہن و عمل کا

---

[۱] یعنی اپنے اپنے نصاب کے بقدر اس اداشدہ زکوٰۃ کو سونے اور چاندی پر حساب کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا، کچھ زکوٰۃ سونے کی اور کچھ زکوٰۃ چاندی کی ادا ہو جائے گی اور کچھ زکوٰۃ دونوں کی باقی رہ جائے گی، ایسا نہ ہوگا کہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کی زکوٰۃ بالکل بے باق سمجھی جائے۔

[۲] یعنی سونا اور چاندی کسی شخص کے پاس کسی ایسی مقدار میں ہوں کہ وہ الگ الگ نصاب کی مقدار کو نہ پہنچ سکیں، لیکن دونوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو نصاب کی مالیت بن جاتی ہو اس صورت میں دونوں کو ملا کر زکوٰۃ کا حساب قائم کیا جاتا ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔

تختۂ مشق نہ بن سکے اور جماعت کے افراد دولت کے تفاوت کے باوجود معاشرتی مساوات، اجتماعی انصاف، انفرادی سابقت، اور جماعتی تعاون سے یکساں طور پر بہرہ اندوز ہوں،

زکوٰۃ کی اس اہمیت کو ہمیشہ برقرار رکھا گیا، نماز کے بعد زکوٰۃ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں تاکہ تعلق باللہ کے بعد تعلق بالعباد قائم ہو چنانچہ بنیادی طور پر عرب نہ زراعتی ملک تھا نہ صنعتی، اہلِ عرب کا سرمایہ نقدی سے بڑھ کر ان کے مویشی تھے، اس لئے زکوٰۃ کا زیادہ زور مویشیوں ہی پر رہا اس کے بعد اور بھی چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوئی، مگر مویشی کی اہمیت زیادہ تھی اس لئے احادیث میں بھی ان سے متعلق بہت تفصیلات ملتی ہیں، اسی وجہ سے فقہاء بھی زکوٰۃ کے بنیادی احکام بیان کرنے کے بعد بالعموم مویشیوں ہی کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیلات ذکر کیا کرتے ہیں، عالمگیری میں ایسی چیزوں کو سات عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جنگل میں چرنے والے جانور، سونا اور چاندی اور زائد ضرورت سامان، تجارتی مال، درآمد برآمد کا محصول، معدنی ذخائر، زرعی پیداوار، صدقۂ فطر، ان میں سب سے پہلے سائمہ یعنی جنگل میں چرنے والے جانوروں کے احکامات بیان کئے جا رہے ہیں (عالی)

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، اور پہلی فصل ان مباحث پر مشتمل ہے جو اگلی تفصیلات کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فصلِ اوّل

سائمہ وہ جانور کہلاتے ہیں جو جنگل میں چرنے کے لئے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہے یا ان کی نسلی افزائش ہے، یا اپنی بڑھوتری اور بالیدگی کی بناء پر وہ بیش قیمت قرار پائیں جن جانوروں کو نسل کشی اور شیر افزائی کے بجائے سواری کے لئے یا باربرداری کے لئے جنگل میں چرایا جائے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے (محیط سرخسی)

سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ ملے جلے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ایسے ہی اگر محض تجارتی مقصد سے جنگل میں چھوڑے جائیں، تو ان پر زکوٰۃ تو واجب ہوگی مگر تجارت کے حساب سے ہوگی سائمہ کے حساب سے نہ ہوگی ہاں گوشت خوری کے لئے اگر مویشی پالے جائیں اور جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑے جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں[1] (بدائع) سال کے کچھ ایام میں جانور جنگل میں چریں اور کچھ دن گھر پر چارہ کھائیں تو اکثر ایام کا اعتبار ہوگا زیادہ دنوں جنگل میں رہے ہیں تو انہیں سائمہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں (محیط سرخسی) حتیٰ کہ اگر چھ مہینے جنگل میں رہے ہیں تب بھی وہ سائمہ نہیں بنیں گے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی (تبیین) اگر مویشی تجارتی ہوں اور انہیں چھ ماہ یا کچھ زیادہ دن جنگل میں چرایا تو وہ سائمہ نہیں ہوں گے تاوقتیکہ مالک انہیں خود سائمہ بنانے کی نیت نہ کرے جس طرح وہ غلام جو تجارتی نوعیت کا ہو اور مالک اسے چند سال اپنی خدمت میں رکھنا چاہے تو وہ اس کی خدمت میں رہنے کے باوجود حسب سابق تجارتی غلام شمار ہوگا جب تک کہ اسے تجارت سے نکال کر وہ خدمت کے لئے مخصوص کرنے کی نیت نہ کرے (خلاصہ) اور اگر سائمہ نصاب کے مالک کا یہ ارادہ ہو کہ وہ ان سے کام لے گا یا انہیں جنگل میں چرانے کے بجائے گھر پر چارہ

[1] اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ روزمرہ جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور کھانے کے کام آتے ہیں ان کو اگر جنگل میں اسی مقصد سے پالا جائے تو وہ زکوٰۃ سے فارغ ہیں، منشا یہ ہے کہ ایسے جانوروں پر زکوٰۃ سائمہ جانوروں کے نصاب سے عائد نہ ہوگی بلکہ تجارتی نوع کی زکوٰۃ ہوگی، البتہ کوئی شخص صرف اپنے ذاتی استعمال میں لانے اور خود گوشت خوری کے لئے جنگل میں گائے بھینس چرنے کے لئے چھوڑتا ہے، تو اس پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں ہے

کھلائے گا مگر وہ سال بھر تک اس ارادہ کے مطابق عمل نہ کر سکا اور سال پورا ہو گیا) تو سائمہ کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی (فتاویٰ قاضیخاں) اگر جانور تجارت کی غرض سے خریدے پھر انہیں سائمہ بنا دیا تو سالِ نصاب اس وقت سے شمار ہو گا جب سے انہیں سائمہ بنا دیا ہے (محیط سرخسی)

دوسری فصل

اونٹ کی زکوٰۃ پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور پچیس[۲۵] اونٹوں سے پہلے پہلے ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہو گی (عینی شرح کنز) اور بکری ایسی ہو، جو سال بھر کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو گئی ہو (جوہرہ نیرہ) جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان پر ایک بنتِ مخاض زکوٰۃ میں دینا چاہیئے، اور وہ ایسی اونٹنی ہے جسے عمر کا دوسرا سال لگ گیا ہو، ۳۵ اونٹوں تک یہی ایک اونٹنی کافی ہے اور جب اونٹوں کی تعداد ۳۶ ہو جائے تو ان پر ایک ایک بنتِ لبون، یعنی ایسی اونٹنی زکوٰۃ میں دینی ہو گی جسے تیسرا سال شروع ہو گیا ہو اور ۴۵ اونٹوں تک یہ کافی ہے جب اونٹوں کی تعداد ۴۶ سے ۶۰ تک ہو جائے تو اس میں حِقّہ یعنی ایسی اونٹنی دینی ہو گی جو چوتھے سال میں ہو اور جب اونٹوں کی تعداد ۶۱ تک پہنچ جائے تو ۶۱ سے لے کر ۷۵ اونٹوں تک ایسی ایک اونٹنی زکوٰۃ میں دینی ہو گی جو عمر کے پانچویں سال میں ہو اور جب اونٹ ۷۶ ہو جائیں تو نوے اونٹوں تک ایسی دو ایسی اونٹنیاں دینی ہوں گی جنہیں تیسرا سال لگ گیا ہو اور اکیانوے سے لے کر ایک سو بیس تک اگر اونٹ ہوں تو اس میں دو ایسی اونٹنیاں دینی ہوں گی جنہیں چوتھا سال لگ گیا ہو (ہدایہ) پھر ایک سو بیس کے بعد ایک سو پینتالیس رسے قبل یعنی ایک سو چوالیس تک ہر پانچ اونٹ کی زیادتی پر ایک بکری واجب ہو گی تو ۱۴۵ اونٹوں پر تین اور چار سال کے درمیان کی دو اونٹنیاں دینی ہوں گی اور ایک بنت مخاض یعنی وہ اونٹنی جسے دوسرا سال لگ گیا ہو، دینی ہو گی اور ایک سو پچاس[۱۵۰] اونٹوں میں تین اونٹنیاں دینی ہوں گی جنہیں چوتھا سال شروع ہو گیا ہو اس کے بعد ایک سو پچاس[۱۵۰] سے ایک سو چھہتر تک ہر پانچ اونٹ کی زیادتی پر ایک بکری واجب ہو گی اور ایک سو چھہتر[۱۷۵] میں تین اونٹنیاں تیسرے سال والی اور ایک اونٹنی دوسرے سال والی دینی ہو گی اور جب ایک سو چھیاسی اونٹ ہو جائیں تو ان میں تین اونٹنیاں چوتھے سال والی اور ایک اونٹنی دوسرے سال والی دینی ہو گی اور (ایک سو نوے تک یہی زکوٰۃ رہے گی) اور ایک سو چھیانوے اونٹ ہوں تو دو سو اونٹوں تک ہر پچاس اونٹ پر ایک حقہ کے حساب سے چار اونٹنیاں چوتھے سال والی دینی ہوں گی (عینی شرح ہدایہ) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو سو اونٹوں کی زکوٰۃ میں چاہے چار اونٹنیاں چوتھے سال والی ہر پچاس پر ایک اونٹنی دیدے اور چاہے تو پانچ اونٹنیاں تیسرے سال والی ہر چالیس اونٹ پر ایک اونٹنی کے حساب سے زکوٰۃ دیدے (فتاویٰ قاضی خاں) پھر زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ (دو سو اونٹوں کے بعد اس طرح شروع جس طرح ایک سو پچاس کے بعد شروع ہوتا ہے)

امام ابو حنیفہ امام محمد رحمہا اللہ کے قول کے مطابق سائمہ اونٹوں کی کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ ایسا اونٹ ہے جسے دوسرا سال شروع ہو گیا ہو (شرح طحطاوی) چھوٹے اور اندھے اور اونٹ کو گلے میں تو شمار کیا جائے گا مگر یہ زکوٰۃ میں نہیں لئے جائیں گے اور زکوٰۃ میں بچہ پالنے والی یا گوشت خوروں کے لئے مخصوص اونٹنی یا حاملہ اونٹنی یا نر اونٹ اور گلے میں سب سے عمدہ قسم کے اونٹ نہیں لئے جائیں گے ہاں درمیانی قسم کے اونٹ لئے جائیں گے (محیط السرخسی) اگر ایسی صورت ہو کہ جیسی عمر کی اونٹنی زکوٰۃ میں واجب تھی وہ گلے میں نہیں، مالک اس سے اعلیٰ درجہ کی اونٹنی زکوٰۃ میں دیدے اور اس کی قیمت میں جتنی زیادتی ہو وہ زکوٰۃ لینے والے سے وصول کرلے یا ایسی صورت ہو کہ واجب شدہ اونٹنی سے کم درجہ کی اونٹنی دیدے اور باقی زائد قیمت ادا کرے تو پہلی صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو

---

۱ ۴۶ اونٹوں سے لے کر ۶۰ اونٹوں تک زکوٰۃ میں تین سال سے زائد کی اونٹنی دینی ہو گی خواہ اونٹ ۴۶ ہوں یا ۵۰ ہوں یا ۶۰ ہوں

۲ یہ صحیح حساب صاحبان کے نزدیک ہے [illegible]

یہ حق ہے کہ وہ اصل واجب شدہ مال کا مطالبہ کرے اور اس اعلیٰ درجہ کی اونٹنی کو نہ لے یا واجب شدہ اونٹنی کی قیمت وصول کرے اس لئے کہ یہ خرید و فروخت ہے اور تجارت میں زبردستی نہیں ہو سکتی اور دوسری صورت میں جبر کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر مالک زکوٰۃ وصول کنندہ کے پاس سے ہٹ جائے اور اونٹ اس کے پاس تنہا رہ جائیں تو زکوٰۃ وصول کنندہ کو اس مال پر قابض شمار کیا جائے گا کیوں کہ یہ بیع نہیں بلکہ بصورت قیمت زکوٰۃ کی ادائیگی ہے (کافی)

تیسری فصل

گائے بیل کی زکوٰۃ گائیں یا بیل تیس[۱] سے کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اور تیس سائمہ گائے بیلوں پر ایک بچھڑا یا بچھڑی دینی ہوگی جو دوسرے سال میں ہو (ہدایہ) پھر چالیس[۲] سے کم (گایوں پر کوئی مزید زکوٰۃ نہیں ہے (شرح طحطاوی) چالیس گاؤں پر وہ بچھڑا یا بچھڑی زکوٰۃ میں دینی ہوگی جو تیسرے سال میں ہو جب چالیس سے بڑھ جائیں تو زیادتی کے بقدر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ساٹھ تک اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی چنانچہ ایک کی زیادتی پر تیسرے سال کی گائے بیل کا چالیسواں حصہ اور دو کی زیادتی پر بیسواں حصہ واجب ہے گا اور یہ اصل کی روایت ہے پھر ساٹھ پر دوسرے سال کی گائے یا بیل واجب ہوگا (ہدایہ) ساٹھ کے بعد تیس تیس اور چالیس چالیس کا حساب ہوگا، کہ ہر چالیس گائے بیلوں پر تیسرے سال کی گائے یا بیل واجب ہوگی اور ہر تیس گائے بیلوں پر دوسرے سال کا بچھڑا یا بچھڑی، چنانچہ ستر گائے بیلوں کی تعداد جب ہو جائے تو اس پر ایک تیسرے سال کی گائے یا بیل اور ایک دوسرے سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہوتی ہے اور اسی کی تعداد پر تیسرے سال کی دو بیل یا گائیں، نوے کی تعداد پر دوسرے سال کے تین بچھڑے یا بچھڑیاں اور سو کی تعداد پر ایک تیسرے سال کی گائے یا بیل، اور دو بچھڑے یا بچھڑیاں دوسرے سال کی واجب ہوتی ہیں (طحطاوی) اگر مسنہ یا تبیعہ حساب میں دونوں برابر ہوتے ہیں تو مالک کو اختیار ہے مثلاً ایک سو بیس کی تعداد اگر ہو جائے تو اس میں چاہے تو تین مسنے دیدے اور چاہے چار تبیعے (تبیین)

بھینس کا حساب گائے ہی کے مطابق ہوگا اور جب دونوں جانور ملے جلے ہوں تو اس وقت نصاب کامل کرنے کے لئے ایک کو دوسرے میں ملا کر نصاب پورا کر لینا واجب ہے پھر جو ان میں سے زیادہ ہوگا زکوٰۃ میں وہی لیا جائے گا، اور اگر ایک دوسرے کے مقابلہ میں کوئی زیادہ نہ ہو تو زکوٰۃ میں وہ جانور لیا جائے گا، جو گھٹیا میں نسبتاً سب سے بہتر اور بڑھیا میں نسبتاً سب سے کم تر درجہ کا ہو (یعنی درمیانی حیثیت کا جانور لیا ہو) بحر الرائق، نافع میں یہ (صراحت) ہے کہ اس معاملہ میں نر و مادہ برابر ہیں (کوئی سا بھی لیا جائے) اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ گائے بیل میں اگر بیلوں کی زکوٰۃ ہو تو دوسرے سال کا بچھڑا اور گایوں کی زکوٰۃ ہو تو دوسرے سال کی بچھڑی لینا افضل ہے (تاتارخانیہ) امام اعظم اور امام محمد رحمہا اللہ کے قول کے مطابق گائے کی کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ ایسی بچھڑی یا بچھڑا ہے، جو عمر کے دوسرے سال میں ہو (شرح طحطاوی)

چوتھی فصل

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ چالیس[۳] سائمہ بکریوں سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب چالیس بکریاں ہو جائیں اور ان پر سال گذر جائے تو چالیس سے لے کر ایک سو بیس[۴] تک کی تعداد پر زکوٰۃ میں ایک بکری دینی ہوگی، ایک سو بیس کے بعد دو سو تک جتنی

لے تبیعہ گائے کا وہ بچہ جو دوسرے سال میں ہو، مُسِنّہ گائے کا وہ بچہ جو تیسرے سال میں ہو۔

بھی زیادتی ہو اس پر دو بکریاں واجب ہوں گی، پھر دو سو سے لے کر چار سو (۴۰۰) دے (یعنی تین سو ننانوے (۳۹۹) تک جتنی زیادتی ہو گی اس پر (کل) تین بکریاں دینی ہوں گی جب چار سو پوری ہو جائیں تو اس پر چار بکریاں واجب ہوں گی اس کے بعد ہر سو کی تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نامہ گرامی اور حضرت ابوبکر صدیق رض کے مکتوب میں (جو زکوٰۃ کی انہیں تفصیلات پر مشتمل ہے) اسی طرح کی تفصیل آتی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہو گیا ہے اور بھیڑ بکری کی کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے امام اعظم و امام محمد رحمہا اللہ کے قول کے مطابق ایک سال کی عمر ہے (طحطاوی) جو بکری ہرن کے اختلاط سے پیدا ہو، اس میں ماں کی نسبت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر ماں بھیڑ یا بکری ہے تو اس کو بکری شمار کریں گے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور نصاب کی تکمیل میں وہ محسوب ہو گی ورنہ اسے ہرن سمجھا جائے گا اور نیل گائے اور پالتو گائے بیل کے ملاپ سے پیدا ہونے والے جانور کا بھی یہی حکم ہے (محیط السرخسی)

پانچویں فصل

کن کن جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی

صاحبین کے نزدیک گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، یہی مختار قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ہاں اگر گھوڑے تجارتی ہوں تو ان پر تجارتی نوعیت کی زکوٰۃ واجب ہو گی (الکافی) گھوڑے تجارتی ہوں تو ان کی حیثیت تجارتی سامان کی ہو گی ان کی قیمت حد نصاب تک پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ لی جائے گی خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر دانہ کھاتے ہوں (المضمرات) گدھے پر، خچر پر، سدھائے ہوئے چیتے اور کتے پر اسی وقت زکوٰۃ واجب ہو گی، جب وہ تجارت کے لئے ہوں (سراجیہ) امام ابوحنیفہؒ کے آخری قول کے مطابق بکری اونٹ اور گائے کے بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، یہی قول امام محمدؒ کا ہے، اگر ان میں سے ایک بھی نصاب کی عمر کو پہنچ جاتا تو باقی بچے اس کے تابع ہو کر نصاب میں شمار ہوں گے البتہ وہ زکوٰۃ میں نہیں لئے جائیں گے (ہدایہ) اگر بکری کے انتالیس (۳۹) بچے ہیں اور ان میں صرف ایک بکری پوری ہے (جسے شامل کر کے چالیس کی تعداد پوری ہوتی ہے) تو اس میں ایک اوسط درجہ کی بکری زکوٰۃ میں دینی ہو گی، اگر وہی ایک (پوری عمر والی) بکری درمیانہ درجے کی یا اس سے کچھ کم ہے تو زکوٰۃ میں لے لی جائے گی، اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ بکری نہ رہے تو صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، ایسے ہی اگر اونٹ کے پچاس (۵۰) بچے ہیں، اور ان ہی میں درمیانی درجے کی ایک اونٹنی بھی شامل ہے تو وہی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، اگر آدھے بچے ضائع ہو جائیں تو نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی، اور نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو گی (کافی) زکوٰۃ میں بچہ لینا جائز نہیں (الجوہرۃ نیرۃ) بار برداری استعمالی اور چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے

لے جنگلی اور وحشی جانوروں پر سائمہ جانور ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اس لئے ایسے مخلوط النسل جانور جس کی ماں جنگلی اور وحشی ہو زکوٰۃ عائد نہ ہو گی۔ کہ یعنی زکوٰۃ میں وہی پوری بکری یا اس کی قیمت لی جائے گی بچھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ تو ضرور بنے ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائگی ان سے درست نہیں ہے۔ کہ جس طرح آدمی کے آلاتِ کارکردگی پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسی طرح وہ جانور، جو زراعت کے مقصد سے پالے گئے ہیں، یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنہیں گھر پر رکھ کر چارہ کھلایا جاتا ہو ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن گھر پر چارہ کھانے والے جانور اگر تجارتی نوعیت کے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہو گی،

تیسرا باب سونے چاندی اور سامان کی زکوٰۃ کے احکام

انسان جہاں بھی رہا ہے اس نے سونا چاندی کی دریافت کے بعد انہیں مالی معاملات اور کاروباری لین دین کے لئے معیار اور پیمانہ قرار دیا ہے دنیا کی تمام مادی چیزوں کی قدر و قیمت اسی کے تحت قائم کیجاتی ہے اور تبادلہ اجناس میں بھی اس کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے، دینِ الٰہی نے بھی اپنی تشریح و تفصیل میں انسانی زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھا ہے چونکہ انسانی آبادیوں میں سونے اور چاندی کو ایک بنیادی پیمانے کی حیثیت دائمی طور پر حاصل ہوگئی ہے اس لئے اسلام نے بھی اس پیمانے کو برقرار رکھا ہے شریعتِ الٰہی نے اپنے منصوص مسائل احکام میں جن حدود کو قائم رکھا ہے وہ اگرچہ عرب کے اسی ماحول کی روشنی میں متعین کئے گئے جس ماحول میں ابتدائی دائمی شریعت بھیجی گئی تھی، اگر اس ماحول کی اصطلاحوں اور رائج الوقت پیمانوں کو شریعت میں نظرانداز کر دیا جاتا اور صرف نظری طور پر مسائل و احکام کا تصور دیدیا جاتا تو اسلام ایسی تفصیلات میں کبھی انسانی ضروریات اور انسانی مسائل کا کوئی وسیع، جامع، اور واضح نقشہ کار نہ پیش کر سکتا اسی بنا پر ضروری تھا کہ وقت کی جو اصطلاحیں رائج ہیں اور جس تمدنی فضا میں انسانی زندگی جیسے قالب کے اندر متشکل ہے اس کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے،

اس طرح کے خصوصی مسائل میں مقررہ صورتوں اور حدود کو شرعاً توقیفی کہا جاتا ہے تاکہ آئندہ کسی وقت بدلتے ہوئے حالات ان حدود پر اثرانداز نہ ہو سکیں، اسی طرح ان حدود کو ایک دائمی اور غیر متبدل حیثیت حاصل ہوگئی البتہ جب وہ قدیم اصطلاحیں اور پیمانے معاشرہ میں باقی نہ رہیں تو ان توقیفی حدود کی روشنی میں انہی کا وہ بدل تلاش کر لیا جائے گا جس سے ان مقررہ حدود اور معینہ صورتوں کا جو مقصود ہے وہ پورا ہو سکے،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں درہم چاندی کی وہ بنیادی اکائی تھی جس پر سارے لین دین چالو ہوتے تھے اس کے بعد سونے کے دینار کو یہ درجہ حاصل تھا لیکن زیادہ تر کاروبار درہموں ہی پر ہوتا تھا اس وقت باہر کی ترقی یافتہ دنیا بھی ان ہی پیمانوں سے آشنا تھی اس لئے اس وقت شریعت نے مالی اعتبار سے لین دین زکوٰۃ صدقہ خیرات وغیرہ کی جتنی تفصیلات بیان کی ہیں وہ زیادہ تر درہم کو سامنے رکھ کر بیان کی ہیں اس میں وزن کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور درہم کی عددی حیثیت کو بھی زکوٰۃ میں خاص حیثیت حاصل ہے، اس وقت دنیا درہم کے چلن سے خالی ہو چکی ہے مگر درہم کی مالیت کا بدل رائج الوقت سکوں کو قرار دے کر زکوٰۃ کا تعلق ان سے قائم کیا جائے گا خواہ کسی جگہ روپیہ رائج الوقت کا سکہ ہو، یا شلنگ یا پونڈ ہو، ڈالر یا روبل ہو، لیرہ یا دینار ہو، دو سو درہم کی مالیت کے بقدر موجودہ سکوں کی مالیت قائم کر کے ان سکوں کو درہم کا قائم مقام قرار دیا جائے گا، اس طرح ہر ملک میں ہر وقت زکوٰۃ کا یہ نصاب چالو اور نافذ ہو سکتا ہے۔ (حالی)

پہلی فصل

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ کے نکالنے واجب ہیں اور وزن کے اعتبار سے ہر بیس مثقال سونے میں نصف مثقال سونا زکوٰۃ میں دینا ہوگا، خواہ وہ سونا ٹکسال میں ڈھلا ہو، سکے کی شکل میں ہو یا نہ ہو یا مرد و عورت کے کسی زیور کی شکل میں ہو یا نہ ہو، یا کچا سونا ہو، یا صاف شدہ ہو (خلاصہ) سونے چاندی میں واجب شدہ مقدار کا لحاظ کر کے زکوٰۃ

دی جائے گی قیمت کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ جیسے مثلاً پانچ کھرے درہم کے بجائے پانچ کھوٹے درہم زکوٰۃ میں دیدیئے جو قیمت کے اعتبار سے چار کھرے درہموں کی مالیت رکھتے تھے تو ان دونوں حضرات کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مگر کراہت کے ساتھ اس کے مقابلے میں پانچ کھرے درہم کے بجائے چار کھرے درہم زکوٰۃ میں ادا کر دیئے جن کی قیمت پانچ کھوٹے درہموں کے برابر تھی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اگر چاندی کا لوٹا ہے جس کا وزن دو سو درہم کے برابر ہے اور اس کی بنوائی کی اجرت لگا کر اس کی قیمت تین سو درہم کے برابر ہو جاتی ہے تو اس کی زکوٰۃ چاندی کی صورت میں دیجائے تو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا اور یہ چالیسواں حصہ ایسے پانچ درہم ہوں گے جن کی قیمت ساڑھے سات درہم کے برابر ہو اور اگر ایسی پانچ درہم چاندی زکوٰۃ میں دیدی جس کی قیمت پانچ درہم ہوتی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس کی زکوٰۃ دوسری جنس سے ادا کی جائے تو اس وقت سب کے نزدیک قیمت کا لحاظ کیا جائے گا (وزن نہیں ہوگا) (التبیین)

اسی طرح سونے چاندی کی زکوٰۃ واجب ہونے کے سلسلہ میں سب کے نزدیک نصاب کا تعلق وزن سے ہوگا قیمت سے نہ ہوگا، جیسے کسی کے پاس چاندی کا کوئی لوٹا ہو جس کا وزن تو ڈیڑھ سو درہم کے برابر ہو۔ مگر اس کی قیمت دو سو درہم کے برابر پہنچ جائے تو وزن کے پیش نظر اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (عینی شرح الکنز)

ینابیع میں آیا ہے کہ درہم اگر تعداد میں دو سو ہوں، مگر وزن میں اس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اگرچہ تھوڑی ہی سی کمی کیوں نہ ہو (تاتار خانیہ) سونے میں مثقال کا وزن معتبر ہے اور چاندی میں سبعہ کا، سبعہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں۔ (فتاویٰ قاضی خاں) مثقال ایک دینار کا ہوتا ہے، اور دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے ایک درہم چودہ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کے برابر شمار ہوتا ہے (تبیین) کھوٹے درہموں کے اندر اگر چاندی نسبتاً زیادہ ہو (اور کھوٹ کم ہو) تو وہ کھرے درہموں کے حکم میں شمار ہوں گے اور اگر کھوٹ زیادہ ہو تو پھر وہ چاندی کا سکہ شمار نہ ہوں گے، اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ وہ بازار میں چالو ہیں یا نہیں اگر بازار میں ان کا چلن ہے اور ان سے تجارتی لین دین مقصود ہو تو اس صورت میں ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اب ان کا نصاب اگر ادنیٰ درجے کے درہموں کے نصاب کی برابر پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، ادنیٰ درجہ کے درہم وہی درہم کہلاتے ہیں جن میں کچھ کھوٹ بھی ہو مگر چاندی کی مقدار زیادہ ہو، ہاں اگر ایسے سکے بازار میں رائج نہ ہوں اور نہ ان سے کوئی کاروبار مقصود ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اگر وہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کے اندر چاندی کی مقدار دو سو درہم کو پہنچ جائے اور ان سے کھوٹ نکالا جا سکتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ کو الگ نہیں کیا جا سکتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسا کہ (فقہ کی) بہت سی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور کھوٹ ملے سونے کا حکم کھوٹ ملی چاندی جیسا ہے اگر ملاوٹ برابر ہو، تو اس میں علما کا اختلاف ہے، خانیہ اور خلاصہ نے احتیاطاً وجوب زکوٰۃ کے قول کو اختیار کیا ہے (بحر الرائق) جو سونا چاندی مخلوط ہو، اس میں اگر سونا اپنے نصاب تک پہنچ جائے تو سونے کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر چاندی اپنے نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور یہ اس شکل میں ہے جب چاندی سونے کے مقابلہ میں زیادہ مقدار ہو اور اگر وہ سونے سے کم ہے تو پھر وہ کل کی کل سونے کے حکم میں شمار ہوگی اس لئے کہ سونا اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور قیمت میں (چاندی) سے بڑھ کر ہے (تبیین) پیسے اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اگر تجارت کے لئے ہوں اور ان کی قیمت دو سو درہم کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی (محیط)

امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے پر چالیس درہم چاندی کا یا چار مثقال سونے کا اضافہ جب تک نہ ہو اس وقت تک (درمیانی بڑھوتری پر) زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (فتاویٰ قاضی خاں) پھر ہر چالیس درہم چاندی پر ایک درہم اور ہر چار مثقال سونے پر دو قیراط زکوٰۃ ہوگی (ہدایہ) اور مال کی قیمت کو سونے چاندی کے ساتھ اور سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے حساب سے ملایا جائے گا (کنز) لہٰذا اگر کسی شخص کی ملکیت میں ایسے سو درہم ہوں اور اس کے ساتھ ایسے پانچ دینار ہوں

جن کی قیمت سو (۱۰۰) درہم ہوتی ہے تو صاحبین کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب[1] ہو گی۔ اس کے مقابلہ میں اگر سو درہم اور دس دینار یا ڈیڑھ (۱۵۰) سو درہم اور پانچ دینار، یا پچاس (۵۰) درہم اور پندرہ (۱۵) دینار ہیں تو ان تینوں حضرات کے نزدیک یہ سب ایک قم شمار ہو گی[2] (الکافی) اگر ایکسو درہم کا اور ایسے دس دینار کا کوئی شخص مالک ہو جن کی قیمت بازار میں پورے سو درہم نہ اٹھتی ہو تو اس صورت میں صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو گی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہونے میں فقہاء سے اختلاف منقول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو گی (محیط سرخسی)

اگر سونے چاندی دونوں کے مستقل نصاب موجود ہوں اور سونے کے نصاب پر چار مثقال سے کچھ کم سونا اور چاندی کے نصاب پر چالیس[3] درہم سے کچھ کم چاندی بڑھ رہی ہو تو ایسی صورت میں ایک نصاب کی بڑھوتری کو دوسرے نصاب کی بڑھوتری میں شامل کر دیا جائے گا کہ یا تو چالیس درہم چاندی کا اضافہ پورا ہو جائے یا پورے چار مثقال سونے کا اضافہ ہو سکے (مضمرات) اگر سونے اور چاندی کے ہر دو نصاب کو اس نیت سے باہم ایک کر لیا جائے کہ ہر دو نصاب کی زکوٰۃ ایک ہی جنس (سونے یا چاندی) سے ادا کرنا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، لیکن اتنی بات واجب ہے کہ ہر دو نصاب کی قیمت قدر اور رواج کے لحاظ سے اس طرح قائم کی جائے، جس میں مستحقین زکوٰۃ کا زیادہ فائدہ ہو ورنہ ہر ایک نصاب کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے (محیط سرخسی)

دوسری فصل

تجارتی مال کی زکوٰۃ

مالِ تجارت کسی نوعیت کا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی، بشرطیکہ اپنی مالیت میں وہ سونے اور چاندی کے نصاب کے بقدر ہو (ہدایہ) اور اس تجارتی مال کی قیمت سونے اور چاندی کے سکوں سے لگائی جائے گی (تبیین) اور مال کی قیمت سال بھر پورا ہونے کے بعد لگائی جائے گی جب کہ اس کی قیمت ابتدائے سال میں ایسے دو سو درہم کے مساوی

---

[1] ایک دینار کی مالیت دس درہم کے برابر ہوتی ہے، اسی مالیت کی بنیاد پر صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ کا حساب قائم کیا گیا ہے، امام اعظمؒ نے اصل مالیت کے لئے کوئی مقررہ پیمانہ قرار نہیں دیئے بلکہ درحقیقت اس سکے میں جتنی چاندی یا سونا ہے اور اس کے لحاظ سے بازار میں اس کی قیمت اٹھتی ہے، اس کا حساب لگایا گیا ہے۔

[2] بنا را اختلاف صرف یہ ہے کہ اس صورت میں بنا را اختلاف باقی نہیں رہی۔ نصاب کی مقررہ مقدار تو وہی دو سو درہم ہی ٹھہرے مگر صاحبین کے نزدیک رائج سکہ کی مالیت دو سو درہم کے مساوی ہو گی اور امام اعظمؒ کے نزدیک ان سکوں کی ثمنیت (سونا اور چاندی) دو سو درہم کے برابر ہو گی، اس لئے زکوٰۃ کا نصاب پورا ہو گیا، اس شکل میں نتیجے کے اعتبار سے ہر دو پہلوؤں سے زکوٰۃ واجب قرار پائی۔

[3] چار مثقال سونے کی قیمت لگا کر چاندی کے نصاب پر بڑھنے والے درہموں کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا، یا اس کے برعکس چاندی چالیس درہم کے اندر اندر اپنے نصاب سے بڑھی ہے اس کی قیمت لگا کر اسے چار مثقال سونے میں شامل کر دیا جائے گا، تاکہ پہلے نصاب کے بعد وجوب زکوٰۃ کی جو پہلی اکائی مقرر کی گئی ہے وہ پوری ہو سکے اور شخصی سرمایہ مختلف النوع جہات سے تشخیص زکوٰۃ کی حدود میں آنے سے نہ رہ جائے، اس لئے کہ زکوٰۃ کا تعلق مال کی ان بنیادی قدروں سے ہے جو مسلم طور پر سونے اور چاندی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مال بہر حال مال ہے خواہ سونا ہو یا چاندی دونوں قدریں موجود ہوں تو ان دونوں پر بحیثیت مجموعی زکوٰۃ عائد ہو گی۔ ایک دوسرے کی کمی یا زیادتی زکوٰۃ سے بچنے کا جواز عطا نہیں کرتی ہے۔ اس تشقیق کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ چاندی اور سونے کے ہر دو نصاب اس نقطۂ نظر سے مخلوط کرنے کا مجاز نہ ہے گا جس کے نتیجے میں محتاجوں کا فائدہ پیش نظر رہنے کے بجائے اس کی اپنی مالی بچت کا کوئی امکان ہو۔

ہو۔ جن میں چاندی کا جز غالب (اور دوسری دھات مغلوب) ہو (مضمرات) پھر تجارتی سامان میں یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو تو مال کی قیمت چاندی کے سکے سے لگائے اور چاہے سونے کے، لیکن اگر ایک سے نصاب بنتا ہو اور دوسرے سے بن جاتا ہو تو پھر دوسرے سے قیمت لگائی جائے گی (بحرالرائق) اگر تجارت کے لئے سو قفیز گیہوں اسٹاک میں ہیں، جو قیمت کے اعتبار سے دو سو درہم کے برابر ہوتے ہیں سال[1] بھر گذرنے کے بعد بھاؤ بڑھ گیا یا گھٹ گیا تو اگر عین سے (یعنی خود گیہوں سے) زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو پانچ قفیز ادا کرے اور اگر قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ دیتا ہے تو یوم وجوب کی قیمت معتبر سمجھی جائے گی کیوں کہ دو میں سے ایک چیز واجب ہے یا تو اصل شے زکوٰۃ میں دیجائے، یا اس کی قیمت دیجائے اس لئے زکوٰۃ وصول کنندہ کو اس کے لینے کے لئے مجبور کیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک جس دن زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اس روز کی قیمت معتبر سمجھی جائے گی۔ اسی طرح ہر اس چیز کی زکوٰۃ کا یہی حکم ہے، جس کا حساب ناپ یا تول یا شمار سے کیا جاتا ہے، اور اگر اس شے کے اندر (قیمت کے لحاظ سے) اضافہ ہو جائے جیسے کہ اس کی رطوبت خشک ہو جائے تو اس صورت میں سب کے نزدیک یوم وجوب کی قیمت معتبر ہو گی۔ اس لئے کہ سال گذرنے کے بعد بڑھنے والی زیادتی کو اس گذشتہ نصاب میں ضم نہیں کیا جائے گا اور اگر اس شے (کی قیمت) میں کچھ کمی ہو گئی، مثلاً اس شے میں نمی آگئی، تو سب کے نزدیک جس دن زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا (الکافی)

اور مال کا مالک اس مال کی قیمت اسی مقام کے لحاظ سے لگائے، جہاں وہ مال موجود ہے۔ جیسے فروختگی کے لئے کسی غلام کو دوسرے شہر میں بھیجا اور اسی اثناء میں سال پورا ہو گیا تو جس شہر میں وہ غلام موجود ہے اس کی زکوٰۃ میں اسی شہر کی قیمت کا اعتبار ہو گا، اگر وہ اس وقت کسی غیر آباد مقام پر ہو تو اس جگہ سے جو شہر قریب ترین ہو تو اس کی قیمت معتبر سمجھی جائے گی، جیسا کہ فتح القدیر نے فتاویٰ سے نقل کیا ہے اگر مالِ تجارت مختلف جنس کا ہو تو ایک کو دوسرے میں ملا لیا جائے گا، یاقوت، موتی اور جواہر میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ از قسم زیور ہوں، ہاں اگر یہ تجارت کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو گی (جوہرہ نیرہ)

اگر پیتل کی دیگچیاں خرید کر رکھیں اور کرائے پر چلایا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی جس طرح کرائے کے مکانات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اگر زمین سے گیہوں کی اتنی پیداوار حاصل ہو جس کی قیمت بقدر نصاب ہوتی، اور اس شخص نے اس غلے کو ذخیرہ کرنے یا فروخت کرنے کی نیت کر لی پھر سال بھر تک اس کو اسٹاک کر رکھا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی (فتاویٰ قاضی خاں)

اگر جانوروں کی خرید و فروخت کرنے والا ان کے گھونگھرو یا ان کی باگیں یا منہ پر ڈالنے کے جھوم خریدتا ہے تو یہ چیزیں اگر جانوروں کے ساتھ ساتھ بیع ہوتی ہیں، تو ان میں زکوٰۃ ہے اور اگر یہ محض جانوروں کی حفاظت کے لئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہ ہو گی (ذخیرہ) عطار جو شیشیاں خریدتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے، اگر غلہ ڈھونے کے لئے خرجیاں اور بورے خرید کر کرائے پر چلائے تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے یہ بورے غلے کے لئے خریدے ہیں نہ کہ تجارت کے واسطے (محیط سرخسی) نان بائی اگر لکڑی یا نمک روٹی پر لگانے کے لئے خریدے، تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر روٹی کے اوپر لگانے کے لئے تل خریدے تو اس میں زکوٰۃ ہو گی (ذخیرہ) کسی مضارب[2] نے ایک غلام خریدا

---

[1] سال بھر پورا ہونے کے بعد دوسرے سال کا پہلا دن گیہوں کے اس اسٹاک پر وجوب زکوٰۃ کا پہلا دن ہے اس دن بازار میں جو عام بھاؤ اس طرح کے گیہوں کا ہو گا اسی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ [2] ایک شخص سرمایہ لگائے اور دوسرا اس سرمایہ پر محنت کر کے تجارتی کاروبار کرے یہ صورتِ معاملہ مضاربت کہلاتی ہے اور وہ شخص جس کی اس کاروبار میں صرف محنت ہوتی ہے سرمایہ نہیں ہوتا اصطلاح میں مُضارِب کہلاتا ہے، مضارب تجارتی سرمایہ میں جو تصرف بھی کرے گا وہ تجارت ہی کے نقطۂ نظر سے شمار ہو گا اس لئے اس مسئلہ میں جو بیان کیا جا رہا ہے مضارب کی خرید و فروخت پر تجارت ہی کے نقطۂ نظر سے حکم جاری کیا گیا ہے اس کے برعکس خود صاحب سرمایہ اگر کوئی تصرف کرتا ہے تو اس میں اس بات کا امکان ہے کہ وہ مشترک کاروبار کے ساتھ کوئی چیز اپنی ذاتی تصرف کے لئے بھی

اور (اس کے ساتھ) اس کے لئے کپڑا یا بوجھ ڈھونے کا تھیلہ خریدا تو اسے کل چیز کی زکوٰۃ دینی ہوگی اس کے برعکس اگر صاحب سرمایہ خود یہ سامان خریدا تو اس پر کپڑے کی اور باربرداری کے تھیلے کی زکوٰۃ نہ ہوگی کیوں کہ اسے یہ چیزیں تجارت کے علاوہ کسی اور ضرورت کے لئے بھی خریدنے کا حق حاصل ہے (الکافی) اور اگر مضارب نے تجارتی غلاموں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدا اور اس پر ایک سال گذر گیا، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کے برخلاف خود اصل مالک ان غلاموں کے لئے یہ سامان خورد و نوش خریدے (اور اس پر ایک سال گذر جائے) تو اس کے ذمے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (محیط سرخسی) جس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی زکوٰۃ اگر ایسے مال سے جو اس کی جنس سے نہ ہو ادا کی جائے تو سب کے نزدیک زکوٰۃ کی جو مقدار واجب ہوئی ہے اس کی قیمت بقدر زکوٰۃ نکالی جائے گی، اور اگر اسی مال کی جنس سے زکوٰۃ ادا کی جائے تب بھی یہی حکم ہوگا اور یہ حکم ان چیزوں میں ہے جن پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا[1] اگر اسی مال کی جنس سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس مال پر سودی احکام کا اطلاق ہوتا ہو، تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اسی مالی مقدار کا اعتبار ہوگا جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں واجب ہوئی ہو، قیمت معتبر نہ ہوگی[2] (الحاوی)

متفرق مسائل

کسی کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ پیش آجائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے، کہ زکوٰۃ دی ہے یا نہیں دی تو احتیاطاً دوبارہ زکوٰۃ دیدے جیسا کہ محیط، سراجیہ اور بحر الرائق نے "واقعات" سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب ہی میں واجب ہوتی ہے[3] اور اس زائد مال پر نہیں ہوتی جو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اگر وہ زائد مال باقی نہ رہے اور صرف نصاب کی مالیت باقی ہو تو جو زکوٰۃ واجب تھی وہ کل کی کل باقی رہے گی، کیوں کہ نصاب کے بعد جو زیادتی ہے وہ نصاب کے تابع ہے اسی بناء پر امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر کچھ مال ضائع ہو جائے، تو وہ ضائع شدہ مال (سب سے پہلے) اس زائد از نصاب مالیت (کا نقصان سمجھا جائے گا اس) کے بعد آخری جز کا نقصان قرار دیا جائے گا اسی طرح پھر اس کے بعد کے نصاب کا، اسی ترتیب سے نصاب کے آخری جز تک نصاب ہوگا[4] اور اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ باقی نہیں رہے گی اور کچھ مال ضائع ہوا تو اس کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوگی (ہدایہ) اور اگر مال نصاب کو قصداً ضائع کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی (بدستور واجب رہے گی) (سراجیہ) سب کے نزدیک ایک تجارتی سامان کا دوسرے تجارتی سامان سے تبادلہ کرنا، مال کا ہلاک یا ضائع کرنا نہیں سمجھا جاتا، خواہ یہ تبادلہ ہم جنس اشیاء میں ہو یا مختلف جنسوں میں، البتہ اگر اس تبادلے میں اتنی مالیت کا سامان چھوڑ دے جس میں لوگ دھوکہ نہیں کھاتے، تو اس صورت میں جتنا مال چھوڑ دیا اس کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا، سال گذرنے کے بعد مال نصاب اگر کسی کو قرض دے دیا تو یہ ضائع کرنے کا مرادف

[1] سودی اشیاء اور غیر اشیاء سے مراد یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کے بارے میں احادیث میں یہ صراحت موجود ہے، کہ ان کے لین دین میں کوئی گھٹا کر بڑھا کر نا سود ہے، یا جن کے مابین نقد اور ادھار کا سودا سود کے حکم میں شمار ہوتا ہے ان چیزوں کو سودی اشیاء کہا گیا ہے، جیسے سونے چاندی کا لین دین اور غلہ جات کا بیوپار[2] یعنی مثلاً سونے کے کاروبار میں سونے کی تجارتی زکوٰۃ واجب ہوئی اگر وہ اس کی زکوٰۃ چاندی کے ذریعے ادا کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں سونے کی اس واجب شدہ مقدار کا اعتبار ہوگا، چاندی کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا[3] ایک شخص کے پاس دو سو درہم اصل نصاب کے بقدر مالیت ہے اور اس کے ساتھ ہی بیس درہم اور ہیں تو زکوٰۃ صرف دو سو درہم پر ہوگی ان بیس درہم پر نہ ہوگی تاوقتیکہ یہ زائد رقم چالیس درہم تک نہ پہنچ جائے جو نصاب زکوٰۃ کی پہلی اکائی ہے[4] یعنی دو سو بیس درہم میں سے اگر پندرہ درہم ضائع ہو گئے تو یہ پندرہ درہم کا نقصان ان بیس درہموں کے اندر متصور ہوگا جو دو سو درہم کے بعد زائد ہیں، اب اگر پندرہ درہم کے بجائے چالیس درہم کا نقصان ہو گیا تو بیس درہم زائد از نصاب مجرا کرنے کے بعد اگلے بیس درہم نصاب کا نقصان سمجھے جائیں گے اور دو سو کے بجائے اب ایک سو اسی درہم کی زکوٰۃ واجب الادا رہے گی، اسی ترتیب سے اگر (بقیہ حاشیہ)

نہیں ہے، اگرچہ یہ قرض کی رقم قرض دار کے پاس ڈوب جائے (اور اس کا دیوالہ نکل جائے) (بحر الرائق)

سائمہ جانوروں۔۔۔ میں اگر ایسا کیا کہ انہیں گھاس کھانے اور پانی پینے سے روک دیا اور وہ مر گئے تو یہ استہلاک ہے (یعنی مال کا خود ضائع کردینا ہی) اس صورت میں وہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ضامن نہیں ہوگا اگر سال بھر پورا ہونے کے بعد ایک شخص نے اپنی ملکیت نصاب کسی عوض اور تبادلے کے بغیر زائل کردی، مثلاً کسی کو یہ مال ہبہ کردیا یا ایسی چیز کے عوض میں دے دیا جو مال نہیں ہے جیسے مہر یا ایسی چیز کے عوض میں دیا جو مال زکوٰۃ نہیں ہے، جیسے ذاتی خدمت کے غلام خریدے، ان سب صورتوں میں (وہ قصداً مال کو ضائع کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور مستہلک ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ کی مقدار کے بموجب ضامن ہوگا خواہ وہ عوض میں آئی ہوئی شئے اس کے پاس باقی رہے یا نہ رہے اگر قاضی کے فیصلے کے تحت ہبہ سے رجوع کرلیا اور اس پر قبضہ کرلیا تو ضمانت ختم ہو جائے گی، اسی طرح اگر قضاء قاضی کے بغیر از خود ہبہ سے رجوع کرکے اس پر رجوع کرلیا تب بھی یہ صحیح قول کے مطابق اسی حکم میں ہے (زاہدی)

اور قبیلہ بنی تغلب کے سائمہ کی زکوٰۃ مسلمانوں کے سائمہ کی زکوٰۃ سے دوگنی لی جائے گی ان کے فقراء اور غلاموں سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی ہاں جزیہ لیا جائے گا (سرخسی) بنی تغلب کے بچوں سے ان کے سائمہ کی کوئی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی اور ان کی عورتوں پر صدقہ کی وہی مقدار واجب ہے جو ان کے مردوں پر ہے (ہدایہ) کتاب میں صراحت ہے کہ جو نصاب اکٹھا ہے اسے جدا جدا نہ کیا جائے، اور جو الگ الگ ہے اسے اکٹھا نہ کیا جائے (قاضی خاں) جیسے ایک شخص کے پاس اسّی بکریاں ہیں جن پر حسب قاعدہ ایک واجب ہوتی ہے اس کو اس طرح تقسیم نہیں کریں گے کہ یہ اگر اسّی بکریاں دو شخصوں کے پاس ہوتیں تو ان سے دو بکریاں زکوٰۃ میں دی جاتیں، اسی طرح دو مختلف (شخصوں کے) نصاب کو یکجا کرکے اس طرح حساب قائم نہیں کیا جائے گا کہ اگر یہ ایک شخص کے پاس ہوتیں تو ایک بکری واجب ہوتی (محیط السرخسی) مویشیوں میں اگر دو آدمی شریک ہوں، تو ان سے ان کی زکوٰۃ اس طرح وصول کی جائے گی، جس طرح شریک ہونے کی صورت ایک سے وصول کی جاتی چنانچہ اگر ہر شریک کا حصہ بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، خواہ وہ اس شرکت میں ایک دوسرے کے وکیل ہوں یا کفیل ہوں، یا بطور وراثت انھیں یہ مال پہنچا ہو یا اس کے سوا کسی ذریعے سے وہ اس (جائز) مالک بنے ہوں یہ مویشی ایک چراگاہ میں چرتے ہوں یا مختلف چراگاہوں میں، اگر ایک کی ملکیت میں بقدر نصاب جانور ہیں اور دوسرے کے پاس اتنے نہیں ہیں تو پہلے صرف شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ان دو شریکوں میں اگر ایک ایسا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اور دوسرے پر نہیں ہوئی، تو جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے گا تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی

اگر ایک شخص کی اسی آدمیوں کے ساتھ اسّی بکریوں میں نصف نصف کی شرکت ہے کہ ہر بکری میں نصف اس کی ہے اور نصف دوسرے شخص کی گویا بحیثیت مجموعی اس کی چالیس بکریاں ہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک اس تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا، جب مثلاً ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک شخص کی ساٹھ گایوں میں شرکت ہے (سراج الوہاج) دو شریکوں سے جب ان کے مشترک مال کی زکوٰۃ لی جائے تو اس صورت میں دونوں شریک ایک دوسرے سے اپنے اپنے حصے کے مطابق مال کا لوٹ پھیر کریں گے، جب دو آدمیوں کے پاس اونٹوں کے ایک مشترک گلہ میں اکسٹھ اونٹ ہوں ایک شخص کے پاس چھتیس ہوں دوسرے کے پچیس ہوں تو زکوٰۃ وصول کنندہ ان دونوں سے ایک پانچ سال کی عمر کی اور ایک تین سال کی عمر کی اونٹنی زکوٰۃ میں لے لے گا اب جس شریک کے حصے میں سے جسقدر زائد زکوٰۃ میں چلا گیا

اتفاقاً ایک سو اسی درہم ضائع ہو گئے تو باقی چالیس درہم میں یہ تقسیم نہ ہوگی، کہ بیس درہم وہ زائد از نصاب والے اور بیس درہم نصاب کے ہیں، بلکہ یہ چالیس درہم کل نصاب ہی کے قرار دیئے جائیں گے اور ان چالیس کی زکوٰۃ ایک درہم واجب ہوگی،

ہے وہ اس کے بقدر دوسرے شریک سے لے گا (فتاویٰ قاضی خاں) ایک شخص کے پاس چرائی کے جانور یعنی سائمہ ہیں زکوٰۃ وصول کرنے والا جب آکر اس سے ان کی زکوٰۃ وصول کرنے لگے تو وہ شخص یہ کہے کہ یہ جانور میرے نہیں تو اس کی بات مان لیجائے گی جب کہ وہ اس پر قسم کھالے (شرح طحاوی) اگر حاکم وقت زکوٰۃ طلب کرے اور یہ شخص جو مالک نصاب ہے زکوٰۃ ادا نہ کرے حتیٰ کہ یہ مال ضائع ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ یہ شخص زکوٰۃ کا ضامن نہ ہوگا، اور عامۂ فقہاء کا یہی فتویٰ ہے (تبیین) اگر خوارج خراج اور سائمہ کی زکوٰۃ لوگوں سے وصول کرلیں تو اب حاکم جمہور لوگوں سے دوبارہ اس کی وصولیابی کا مجاز نہیں تحفہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں صرف اونٹنیاں ہی واجب ہوتی ہیں اونٹ لینے جائز نہیں سوائے اس کے کہ ان کی قیمت لے لی جائے (تاتارخانیہ)

بکریوں کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ دونوں لئے جائیں گے کیوں کہ شاۃ کا لفظ نر اور مادہ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اس کے برعکس اونٹ کی زکوٰۃ کے سلسلے ناموں کی تعیین و تخصیص ہے جیسے بنت مخاض، بنت لبون، اور یہ لفظ اونٹنی ہی کے لئے آتے ہیں (سراج الوہاج) احناف کے نزدیک زکوٰۃ، کفارات، صدقۃ الفطر، عشر اور نذر میں (اصل کے بجائے) قیمت دیجا سکتی ہے (ہدایہ) چنانچہ اگر تین فربہ بکریاں چار اوسط درجہ کی بکریوں کے بجائے دیدے یا دو سالہ اونٹنی کی جگہ تین سالہ اونٹنی (کی قیمت کا کچھ حصہ جو دو سالہ اونٹنی کے مساوی ہے) دیدے تو جائز ہے (فتح القدیر) اگر ایک شخص کے پاس تجارتی دو سو قفیز گیہوں ہوں جن کی قیمت دو سو درہم ہوتی ہے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو زکوٰۃ میں اصل مال یعنی قفیز گیہوں دیدے اور چاہے تو اس کی قیمت (پانچ درہم) دیدے (شرح طحاوی) اگر صدقہ وصول کرنے والے کی موجودگی میں چرائی کے جانور فروخت کئے تو صدقہ لینے والے کو اختیار ہے، چاہے تو واجب شدہ زکوٰۃ کے مطابق قیمت لے لے اس صورت میں سب جانوروں کی بیع صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ خود جانوروں میں سے زکوٰۃ کے جانور لینا چاہے تو ان صدقہ میں لئے جانے والے جانوروں کے بقدر بیع کا معاملہ ختم ہو جائے گا (باقی جانوروں کی بیع صحیح ہوگی) اور اگر اس فروختگی کے وقت وہ صدقہ وصول کرنے والا موجود نہیں تھا اور فروختگی کی مجلس ختم ہونیکے بعد آیا تو اب وہ خریدنے والے سے کچھ نہیں لے سکتا، اب وہ بائع سے صرف زکوٰۃ کے بقدر قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے، ایک شخص نے غلہ بیچا جسمیں عشر واجب تھا، تو اب صدقہ لینے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو بائع سے زکوٰۃ لے اور چاہے تو مشتری سے خریداری کی مجلس ختم ہونے کے بعد وہاں پہنچا ہو، یا اس سے قبل (بحر الرائق، شرح طحاوی)

کسی شخص نے اپنی زمین تین سال کے لئے کرائے پر اٹھا دی اور تین سو درہم سالانہ کرایہ ٹھیرا جب آٹھ ماہ گذر گئے تو وہ دو سو درہم کا مالک بن گیا اور اس کا سال نصاب چالو ہو گیا، پھر جب اس پر سال بھر گذر گیا تو اب وہ پانسو درہم کی زکوٰۃ دے گا، اس کے بعد جب (دوسرا) سال پورا ہوگا تو آٹھ سو درہم کی زکوٰۃ دے گا، ہاں (پہلے سال کے) پانسو درہم کی ادا کردہ زکوٰۃ کے بقدر اس کے ذمے سے زکوٰۃ کم ہو جائے گی، کسی شخص کے پاس ایک ہزار درہم ہیں اور اس کے سوا کوئی اور سرمایہ اس کے پاس نہیں ہے اس نے اس رقم سے ایک مکان دس برس کے لئے کرایہ پر لیا اور ہر سال کا کرایہ سو درہم ٹھیرا اس نے وہ سب درہم مالک مکان کو دیدیے مگر مکان میں اس نے سکونت اختیار نہیں کی بلکہ وہ مالک ہی کے قبضہ میں رہا حتی کہ ایک برس کی میعاد گذر گئی تو اب وہ مالک مکان پہلے سال کی زکوٰۃ نو سو درہم کی زکوٰۃ نکالے گا دوسرے سال آٹھ سو درہم کی، مگر پہلے سال کی زکوٰۃ اس میں سے کم ہو جائے گی اسی طرح ہر سال زکوٰۃ سے سو درہم کم ہوتے جائیں گے اور گذشتہ سالوں کی واجب شدہ زکوٰۃ کے بقدر حصہ کم ہوتا جائے گا اور کرایہ پر لینے اور دوسرے سال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ پہلے سال میں نصاب ناقص تھا اور دوسرے سال میں بھی پورا نہیں ہوا تیسرے سال تین سو درہم کی زکوٰۃ دے گا پھر ہر سال سو درہم کا اضافہ ہوتا جائے گا البتہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس کے ذمے سے کم ہو جائے گی کسی شخص نے ایک مکان ایک ایسی تجارتی باندی کے عوض کرائے پر دے دیا جس کی قیمت ایک ہزار روپے تھی اور مسئلہ کی صورتیں وہی رہیں جو اس سے اوپر کے مسئلے میں تھیں تو اب اس مالک مکان پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ باندی

کی ذات میں (کرایہ دار کا) استحقاق پیدا ہو گیا اور استحقاق کا پیدا ہونا ہی مال کا ہلاک (کر دینا اور ضائع) کر دینا ہے اس لئے کرایہ دار پر اسی طرح زکوٰۃ واجب ہو گی، جس طرح اوپر (مکان کے کرایہ کے مسئلے میں) بیان کی گئی،

اگر کوئی غیر معین کیلی یا وزنی چیز اجرت میں ٹھیری (اور اجرت میں کوئی دوسری چیز دیدی جائے) تو وہ درہم کے حکم میں سمجھی جائے گی اور اگر وہی شئے (معین (اجرت میں) دیدی گئی، تو وہ (مسئلہ کے لحاظ سے) باندی کے حکم میں ہے، اگر مالک مکان نے گھر تو کرایہ دار کو دیدیا مگر اجرت پر قبضہ نہیں کیا تو اب صورتِ مسئلہ بالکل بدلجائے گی جو حکم مالک مکان کا تھا اب وہ کرایہ دار کا ہو گا اور جو حکم کرایہ دار کا تھا وہ اب مالک مکان کا ہو گا (محیط السرخسی)

ایک شخص نے دو سو درہم کی مالیت کا تجارتی غلام دو سو ہی درہم میں خریدا اور قیمت ادا کر دی، مگر غلام پر قبضہ نہیں کیا، حتیٰ کہ اس طرح سال گذر گیا اور (اتفاقاً) وہ غلام مر گیا تو دو سو درہم کی زکوٰۃ بائع کو دینی ہو گی، اور اتنی ہی مالیت کی زکوٰۃ خریدار کے ذمے واجب ہو گی، اور اگر غلام سو درہم کی مالیت کا تھا تو اب غلام فروخت کرنے والے پر دو سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور خریدار پر نہیں ہو گی (فتاویٰ قاضی خاں)

ایک غلام اپنی ذاتی خدمت کے لئے ایک ہزار روپے میں خریدا اور قیمت دے دی، سال بھر گذرنے کے بعد اس کے کسی عیب کی وجہ سے بذریعہ عدالت یا باہمی رضامندی سے اس کو واپس کر دیا تو اس کی جو قیمت تھی اس کی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہو گی، اگر غلام کو کسی تجارتی سامان کے عوض فروخت کیا، پھر سال بھر گذرنے کے بعد کسی عیب کی وجہ سے بذریعہ عدالت وہ اس کے پاس لوٹ آیا تو اب یہ بیچنے والا اس غلام کی اور مال کی زکوٰۃ دے گا، اور نہ خریدنے والے پر سامان کی زکوٰۃ واجب ہو گی، ہاں اگر وہ غلام بغیر کسی عدالتی حکم کے (باہمی رضامندی سے) لوٹایا گیا ہے تو اب بائع کو سامان کی زکوٰۃ دینی ہو گی گویا اب یہ از سرِ نو بیع ہوئی ہے اور اگر غلام سے خدمت لینے کی نیت کر لی تو سامان کی زکوٰۃ کا ضامن ہو گا کیونکہ اس نے (غلام کی تجارتی حیثیت کو) قصداً ہلاک (اور ختم) کر دیا (الکافی) اور اگر مال کی زکوٰۃ دینے میں تاخیر کی اور بیمار پڑ گیا تو وارثوں سے پوشیدہ طور پر زکوٰۃ ادا کر دے اگر اس کے پاس اس وقت مال نہ ہو اور ادائیگی زکوٰۃ کے لئے قرض لینا چاہے تو اس وقت اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ قرض لے کر زکوٰۃ ادا کر دے پھر کوشش کر کے وہ یہ قرض ادا کر سکے گا تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کر دے اور اگر اس نے قرض لے کر زکوٰۃ ادا کر دی مگر قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکا اور انتقال ہو گیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا قرض (اپنی جانب سے) ادا فرمادیں گے اور اگر اس کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ قرض لے کر زکوٰۃ ادا کرے گا تو قرض نہ چکا سکے گا تو پھر افضل یہ ہے کہ قرض نہ لے کیوں کہ قرض خواہ کا مطالبہ اور دعویٰ زیادہ شدید اور سخت ہے (محیط السرخسی)

ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور ایک ہزار درہم مہر قرار پایا اس نے اس کو ادا کر دیا اس شخص کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت باندی ہے (آزاد عورت نہیں، اسی طرح ایک سال گذر گیا، پھر اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ عورت باندی ہے جس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تو اب اس عورت نے مہر کا ہزار روپیہ شوہر کو لوٹا دیا اس صورت میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک میاں بیوی میں کسی پر اس روپے کی زکوٰۃ واجب ہو گی یہی حکم اس صورت میں ہو گا جب کہ ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کی داڑھی مونڈ دی اس پر قاضی کے یہاں مقدمہ گیا اور (اس) نے اس مونڈنے والے کے ذمے دیت کی رقم عائد کر دی اس نے وہ دیت اس شخص کو دے دی اس پر ایک سال گذر گیا اس اثنا میں اس کی داڑھی نکل آئی اور اس نے وہ دیت اس (مجرم) کو لوٹا دی تو اب ان میں کسی پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہو گی اسی طرح ایک شخص نے دوسرے شخص کو ہزار روپے ہبہ کر دیئے اور اسے یہ رقم دے دی پھر سال بھر گذرنے کے کسی عدالتی حکم کے تحت یا از خود اس نے اپنے ہبہ سے رجوع کر لیا اور وہ ہزار روپے واپس لے لئے تو اس صورت میں بھی ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب ہو گی (فتاویٰ قاضیخاں)

ایک شخص پر دو سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوئی اسی اثنا میں اس نے اس میں سے پانچ درہم نکال لئے اس کے بعد اتفاق سے یہ پانچ درہم ضائع

ہو گئے، تو ان دو سو درہم کی پوری زکوٰۃ اس کے ذمے واجب رہے گی اس میں سے کچھ ساقط نہ ہوگی اگر یہ صورت ہوئی کہ درہم نکال لینے کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا تو یہ پانچ درہم اسکی میراث میں شامل ہوں گے اور ورثاء میں تقسیم ہو جائیں گے (تاتار خانیہ بحوالہ ظہیریہ)

کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر میں چالیس چرائی والی بکریاں بطیرہیں اور اس نے وہ بکریاں اس کے قبضے میں بھی دے دیں اس پر سال بھر گذر گیا، مگر ابھی تک اس شخص کو دخول کا موقع نہ ملا تھا اور دخول سے پہلے ہی اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو جو نصف بکریاں مہر کی اس شخص کی ملکیت میں رہیں گی اسے ان کی زکوٰۃ دینی ہوگی (فتاویٰ قاضی خاں، فصل تجارت)

ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے مگر وہ ادا نہیں کرتا تو کسی محتاج کو یہ اجازت نہیں کہ بغیر اس صاحب سرمایہ کی اطلاع کے اس کے مال میں سے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم لے لے اگر کسی ضرورتمند اور محتاج نے (یہ حرکت کی اور اس طرح) مال لے لیا تو مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے وہ مال واپس لے لے اگر فی الوقت اس محتاج کے پاس موجود ہے اور اگر موجود نہیں ختم ہوگیا تو وہ فقیر اس کا ضامن ہوگا (تاتار خانیہ) حاکم وقت اگر خراج یا چونگی کے نام سے کچھ مال لے لے اور مال دینے والا اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلے تو اس کی ادائگی میں فقہاء کا اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں زکوٰۃ اس شخص کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ جیسا کہ امام سرخسیؒ نے کہا ہے (مضمرات) جو چیز تبادلہ میں لی جائے اس پر وہی حکم جاری ہوگا جو اس کے عوض میں دیجانے والی چیز کا حکم تھا، جیسے دو شخصوں نے ایک غلام کا دوسرے غلام سے تبادلہ کیا اور نیت کسی چیز کی نہیں، اس صورت میں اگر وہ دونوں غلام تجارتی تھے تو اب بھی دونوں تجارتی ہی متصور ہوں گے اور اگر خدمت گار تھے تو اب بھی خدمت گار ہی قرار دیئے جائیں اور اگر ان میں سے ایک کا غلام تجارتی تھا اور دوسرے کا خدمتی تو جو غلام تجارتی غلام کے بدلے میں آیا ہے وہ تجارت کے لئے سمجھا جائے گا اور جو خدمتی غلام کے عوض آیا ہے وہ خدمت کے لئے ہوگا۔

دو شخصوں نے درمیانی سال میں ایک غلام کا دوسرے غلام سے تبادلہ کیا اور وہ دونوں تجارتی غلام تھے اور ایک کی قیمت ہزار اور دوسرے کی دو سو تھی اس کے بعد (مزید چھ ماہ گذر گئے اور) دونوں غلاموں کا سال پورا ہوگیا، مگر کم قیمت والے غلام میں اتفاق سے کوئی ایسا عیب نکل آیا جس نے اس کی قیمت گھٹا کر سو درہم کردی تو ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیوں کہ سال ابتداء و انتہا کے وقت سال پورا نہ تھا ہاں (ان غلاموں کے تبادلے کے بعد) جس شخص نے عوض میں زیادہ قیمت کا غلام خریدا ہو اس پر سال بھر گذر جائے تو وہ اس کی زکوٰۃ دے گا کیوں کہ اس کے قبضے میں سال بھر تک ہزار درہم کی مالیت باقی رہی ہے ہاں دوسرا وہ شخص جس کے پاس کم قیمت کا غلام تبادلے میں آیا ہے وہ سال گذرنے کے بعد بھی اس پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ اس کے پاس والا غلام ناقص المنقصا

۱؎ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی سے صحبت کئے بغیر اسے طلاق دے دی تو اب بیوی کا حق مہر نصف واجب الادا ملتا ہے تو اس صورت میں چونکہ اس نے پہلے ہی پورے مہر کی ادائگی چالیس بکریوں کی شکل میں کردی تھی مگر طلاق دینے کے بعد نصف مہر واجب ٹھہرا لہٰذا چالیس میں کو بیس بکریاں بدستور اسی شخص کی ملکیت میں رہیں اس لئے زکوٰۃ کا جب حساب ہوگا تو ان بکریوں پر اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو اسی شخص کو ادا کرنی پڑے گی یہ بھی پیش نظر رہے کہ ان بیس بکریوں پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب اس کے پاس بیس بکریاں کم از کم اور ہوں کیوں کہ چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ۲؎ خراج یا درآمدی ٹیکس حکومت ہی کے خزانے میں جاتا ہے اور زکوٰۃ بھی حکومت ہی کے بیت المال میں جمع ہوتی ہو اس بنا پر وہ اسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائگی صحیح ہو جائے گی ۳؎ جس شخص کا غلام ایک ہزار درہم کا تھا اس پر اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی کہ اس نے تبادلہ نصف سال گذرنے کے بعد کیا اور سال کے آخر میں اس کے پاس یہ غلام موجود نہیں تھا جب کہ وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط سال کا گذرنا بھی ہے، دوسرے شخص پر بھی اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں کہ اس کے پاس جو ہزار درہم والا غلام دو سو درہم والے غلام کے عوض میں آیا ہے ابھی اس پر سال کے سال کے آخری چھ ماہ ہی گذرے ہیں ابتدائی چھ ماہ اصل مالک کے پاس گذر گئے چنانچہ سال اس نئے مالک کے پاس پورا ہوا نہ اسی لئے ہے۔

ے اگر وہ غلام جس میں عیب نکلا ہے عدالت میں جائے بغیر باہمی تصفیہ سے لوٹا لیا تو لوٹانے والے پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر خریدنے کے بعد اس پر ایک سال گذر گیا ہو اور جس شخص کو غلام لوٹایا ہو وہ ہزار درہم کی زکوٰۃ دے گا کہ درحقیقت یہ نیا معاملہ ہے اس شخص نے گویا اپنے پہلے مال کو ضائع کر دیا اور اگر یہ لوٹ پھیر عدالتی حکم کے تحت ہو تو وہ شخص (جس کا غلام عیب کی وجہ سے لوٹایا گیا) اس لوٹائے جانے والے غلام کی زکوٰۃ دے گا اور اگر اس زیادہ قیمت والے غلام میں خریدنے کے بعد نصف سال گذرنے پر ایسا عیب نکل آیا جس کی بنا پر اس کی قیمت میں دو سو درہم کم ہو گئے اور دوسرے غلام میں کوئی عیب نہیں اور پھر ان دونوں مالکوں نے باہمی رضامندی سے یا عدالتی فیصلے سے ان کا لوٹ پھیر کر لیا تو لوٹانے والا اپنے اس غلام کی زکوٰۃ دے گا جس کو واپس لے رہا ہے اور جس کو غلام لوٹایا گیا وہ اپنے اس غلام کی زکوٰۃ دے گا جس کے نقص کی وجہ سے یہ لوٹ پھیر ہوئی ہے (الکافی) دو شخصوں نے اپنے مال کی زکوٰۃ پوری کی پوری کسی شخص کے حوالے کر دی تاکہ وہ ان کی جانب سے مستحقین کو تقسیم کر دے اس نے ان دونوں کے مال کو مخلوط کر دیا اس کے بعد محتاجوں کو دیا تو یہ وکیل ان زکوٰۃ دینے والوں کے مال کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا کیوں کہ یہ صدقہ جو اس نے دیا ہے خود اسی وکیل کی جانب سے شمار ہوگا (فتاویٰ قاضی خاں)

کسی شخص نے اپنی ہتھیلی پر زکوٰۃ کی رقم نکال کر رکھی اور فقیروں نے اس کو لوٹ لیا تو یہ جائز ہے اس کے ذمے سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر کچھ روپیہ اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا اور کسی محتاج نے اسے اٹھا لیا تو جائز ہے بشرطیکہ مالک کی مرضی بھی ہو اور وہ مال اس وقت تک اس محتاج کے پاس موجود ہو اور زکوٰۃ دینے والا اس مالِ زکوٰۃ کو پہنچانا بھی ہو (الخلاصہ)

چوتھا باب

عاشر کے پاس سے گذرنے والے (تاجروں) کے مسائل

عاشر وہ شخص ہوتا ہے جسے حاکم وقت راستے کے (ناکے) پر صدقات کی وصولیابی کے لئے مقرر کرتا ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی وجہ سے تاجر چوروں کے خطرہ سے محفوظ رہیں جس طرح عاشر تاجروں سے اموالِ ظاہری کی زکوٰۃ لیتا ہے اسی طرح ان اموالِ باطنہ کی بھی لیتا ہے جو تاجر کے

پرانے مالک کے، اور دو سو درہم والے غلام کی زکوٰۃ کے ساقط ہونے کی ایک وجہ تو یہی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ ایک عیب رونما ہو جانے سے اس کی قیمت نصاب باقی نہیں رہی

لہ یعنی اپنا دو سو درہم والا غلام دے کر ہزار درہم والا غلام لیا ہے اور وہ اس کے پاس سال بھر تک رہا تو اب ہزار درہم کی مالیت موجود ہونے پر اس کے ذمے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور یہ بالوٹنے لوٹانے کا معاملہ تو اب یہی خرید و فروخت متصور ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے وہ دو سو درہم کی مالیت کا غلام ضائع کر دیا کہ اب وہ سو درہم کا رہ گیا

لہ عشر لغت کے اعتبار سے یعنی مال کا دسواں حصہ وصول کرنے والا اور فقہی اعتبار سے شرعی حساب سے مال کی جو مقدار بھی واجب ہو خواہ دسواں حصہ ہو یا چالیسواں حصہ ہو یا بیسواں حصہ ہو بہرحال مقدارِ واجب کا وصول کرنے والا عاشر کہلائے گا، یہ سرکاری آدمی ہوتا ہے جو شہر کے ناکوں پر جہاں سے لوگ بستی میں داخل ہوتے ہیں رہتا ہو یا ایسے مقامات پر متعین ہوتا ہے جہاں اس کی موجودگی سے دونوں فائدے حاصل ہو سکیں اور وہ راستوں سے گذرنے والے تجارتی قافلوں کی نگرانی کر سکے کہ ایک طرف لوگ آزادانہ امن و اطمینان کے ساتھ لوٹ کے خطرہ سے محفوظ رہ کر سفر کریں دوسری طرف ان تجارتی قافلوں سے واجب شدہ صدقات کی وصولیابی بھی بسہولت ہو

لہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ یعنی فقہی اعتبار سے سرمایہ کی دو قسمیں ہیں ایک ایسا سرمایہ جو چھپا نہ ہو جیسے چرنے والے جانور، یا وہ مالِ تجارت، جسے لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرتا ہے اس کو فقہا اپنی اصطلاح میں اموالِ ظاہری میں شمار کرتے ہیں اور ایک سرمایہ وہ ہے جو اموالِ باطنہ کہلاتا ہے، یعنی جس کی (بقیہ ص پر)

پاس ہوں (الکافی) عشر وصول کرنے والے کے لئے یہ شرط لازم ہے کہ وہ غیر ہاشمی النسل آزاد مسلمان ہو (بحر الرائق بحوالہ غایۃ) اس (سرکاری محصل) کے پاس سے جب کوئی مسلمان تجارتی مال لے کر گذرے تو وہ اس تاجر سے زکوٰۃ کی شرائط کے مطابق چالیسواں حصہ وصول کرے یعنی نصاب مکمل ہو اور سال گذر چکا ہو اور اسی وصول شدہ رقم کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کیا جانے والا مال سمجھے۔ اگر اس کے پاس سے کوئی ذمی گذرتا ہے تو اس سے مال کا چالیسواں حصہ وصول کرے اور اسے جزیہ اور خراج کا مال شمار کرے مگر اس ذمی کے سر سے یہ بیسواں حصہ دینے کے بعد جزیہ کی سالانہ رقم ساقط نہ ہوگی جو اس سال اس کے ذمے لازم ہے اور اسی سے ایک سال میں دوبارہ مالِ تجارت پر یہ عشر نہ لے کوئی شخص مسلمان ہو، یا ذمی ہو، یا حربی، عاشر کے پاس سے دوسو درہم سے کم رقم لے کر گذرا تو اسی سے عشر وصول نہ کرے خواہ عاشر کو اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ اس کے پاس گھر پر مزید مال ہے (محیط السرخسی)

جو شخص عاشر کے پاس سے مال لے کر گذرا اور اس نے عاشر سے یہ کہا کہ ابھی اس مال کو سال بھر نہیں ہوا اور اس کے پاس اس جنس کا اور مال ایسا نہیں جس پر سال گذر گیا ہو یا یہ کہا کہ میرے ذمے لوگوں کے کچھ قرضے ہیں یا یہ کہا کہ سفر شروع کرنے سے پہلے میں نے اس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی، یا دوسرے عاشر کو ادا کر دی جب کہ اس سال (اس عاشر سے قبل) کوئی دوسرا عاشر رہا ہو اور اس بات پر اس نے قسم کھالی، تو اس کا قول قابلِ تسلیم ہوگا، جامع صغیر میں دوسرے عاشر کی سند دکھانے کی شرط مذکور نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے ہاں اس سال اگر کوئی دوسرا عاشر نہ ہو تو اس شخص کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ سفر کے دوران اس نے زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی یہ بات بھی قبول نہیں کی جائے گی (کافی) اور اگر ادائیگی کی ایسی سند دکھلائی جس میں اس عاشر کے بجائے کسی اور کا نام ہے تو ظاہر روایت کے جواب کے مطابق قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیا جائے گا کیوں کہ یہ سند شرط نہیں (بدائع)

ایک شخص نے اگر یہ قسم کھائی کہ اس نے دوسرے عاشر کو زکوٰۃ ادا کر دی اور چند سال بعد اس کا جھوٹ کھل گیا تو واجب شدہ زکوٰۃ اس سے وصول کی جائے گی (تاتارخانیہ بحوالہ جامع الجوامع) جس معاملے میں مسلمان کی بات قابلِ تسلیم ہے اس میں ذمی کی بات بھی قابلِ تسلیم ہے (کنز) لیکن یہ کلیہ ہر جگہ جاری نہیں ہوتا اس لئے ذمی سے جو مال سرکاری طور پر لیا جاتا ہے وہ جزیہ ہے اور جزیہ کے بارے میں اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اسے ادا کر دیا تو یہ بات خالی نہیں جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو جزیہ کا مصرف ذمیوں کے محتاج لوگ ہیں اور نہ اس جزیہ دینے والے ذمی کو مسلمانوں کی مصلحتوں کے مطابق جزیہ کی رقم اس کے مصرف میں خرچ کرنے کا استحقاق حاصل ہے، اور اگر عاشر کے پاس سے گذرتے وقت ایک شخص نے اپنے چرنے والے جانوروں کے متعلق یہ کہا کہ میں نے ان کی زکوٰۃ بستی میں فقیروں کو دے دی ہے تو اس کی بات مانی جائے گی بلکہ اس سے دوبارہ زکوٰۃ لی جائے گی اگرچہ حاکم کو یہ معلوم ہے کہ واقعتہً اس نے زکوٰۃ ادا کر دی اس صورت میں یہ دوسری ادائیگی حقیقت میں زکوٰۃ ہوگی اور پہلی ادائیگی خیرات ہو جائے گی یہی قول صحیح ہے (التبیین)

جامع ابی الیسر میں ہے کہ پہلی ادائیگی کو حاکم بجا قرار دے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ اگر حاکم شروع ہی میں یہ اجازت دیدے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے طور پر فقیروں کو دے دے تو یہ جائز ہے تو اسی طرح بعد میں بھی وہ ادائیگی کو جائز قرار دے سکتا ہے (بحر الرائق)

اطلاع بالعموم لوگوں کو نہیں ہوتی نہ حکومت کو اس کا علم ہوتا ہے اس میں بنیادی طور پر تو سونا چاندی شامل ہے اس دور کے بعد میسری نوٹ بھی اموالِ باطنہ میں شمار ہوں گے نیز وہ تمام تجارتی یا غیر تجارتی سرمایہ بھی اموالِ باطنہ میں داخل ہے جو عاشر کے پاس سے گذرتے وقت کسی تاجر کے ہمراہ نہیں ہے البتہ سائمہ خواہ وہ عاشر کی قیام گاہ سے گذرتے وقت مالک کے ساتھ ہوں یا نہ ہوں اموالِ باطنہ کی تعریف میں نہیں آتے کیوں کہ سائمہ کی زکوٰۃ کے عاشر کے پاس سے گذرنا شرط نہیں ہے بلکہ سال گذرنے پر خود عاشر اور صدقہ وصول کرنے والا مالک کے پاس پہنچ کر سائمہ کی زکوٰۃ وصول کرتا ہے۔

ٹ وہ غیر مسلم جو اسلامی ریاست کا باشندہ نہ ہو۔

ایک شخص چرائی کے جانوروں کو لئے ہوئے یا کچھ نقدی لے کر عاشر کے پاس سے گذرا اور اس نے یہ کہا کہ یہ میرا مال نہیں تو اس کا قول صحیح سمجھا جائے گا (سراج الوہاج) ایک شخص کچھ سامان لے کر عاشر کے پاس سے گذرے اور یہ کہے کہ تجارتی سامان نہیں ہے تو اس میں اسی کا قول معتبر ہوگا (شرح الطحاوی) اگر دو سو درہم شرکت کے لے کر یا مضاربت کا مال لئے ہوئے گذرا تو عشر نہیں لیا جائے گا ہاں اگر اس مال میں اتنا نفع شامل ہو کہ اس کے حصے میں نصاب کے بقدر نفع آجائے تو پھر اس سے عشر لیا جائے گا کیوں کہ وہ اس منافع کے بقدر مال کا مالک ہوگا (ہدایہ)

اگر وہاں سے ایک غلام مالک کا کچھ مال لے کر گذرا، جسے آقا نے کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے تو اس سے عشر نہیں لیا جائے گا اور اگر وہ مال اسی غلام نے کمایا ہو تب بھی یہی حکم ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر اس کے ساتھ اس کا آقا بھی ہو تب اس سے اس مال کا عشر وصول کیا جائے گا ہاں اگر اس غلام پر اس کے مال کی برابر قرضہ ہے تو عشر نہیں لیا جائے گا (کافی)

اگر کوئی ذمی تجارت کے قصد سے شراب اور خنزیر لے کر گذرتا ہے اور ان کی مالیت دو سو درہم یا ان سے کچھ زائد ہے تو ظاہر روایت کے مطابق شراب کا عشر لیا جائے گا خنزیر کا نہیں لیا جائے گا امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ کا قول یہی ہے (سراج الوہاج) البتہ امام محمدؒ نے اس بارے میں کوئی حکم ذکر نہیں کیا ذمی مردار کی کھال لے کر عاشر کے دفتر سے گذرے فقہاء نے کہا ہے کہ عاشر کو اس کا عشر لینا چاہیئے (محیط)

حربی سے دسواں حصہ وصول کرے لیکن دارالحرب والے دارالاسلام کے تاجروں سے اگر کچھ کم یا زیادہ لیتے ہوں تو یہاں بھی حربی سے اس کے بقدر وصول کیا جائے اگر وہ لوگ ہمارے تاجروں سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی کچھ نہ لیں گے اگر وہ سب مال لے لیتے ہوں ہم بھی حربی کا سب مال لے کر اتنا سرمایہ اس کے پاس چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے علاقے میں پہنچ جائے اگر دارالحرب والے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی ان لوگوں سے ان کا بدلہ چکانے کے لئے کچھ نہ لیں گے حربیوں کے مکاتب اور بچوں سے کچھ نہ لیا جائے گا سوائے اس شکل کے جب کہ وہ ہمارے لڑکوں اور مکاتبوں سے وصول کرتے ہوں (محیط سرخسی) حربی کی کوئی بات لائق تصدیق نہ ہوگی ہاں اگر وہ باندیوں اور لڑکوں کے بارے میں یہ دعویٰ کریں کہ وہ ان کی ام ولد اور یہ ان کی اولاد ہیں اس لئے کہ نسب میں اور مادریت میں ان کا اقرار لائق تسلیم ہے اس وقت ان کی مالیت ختم ہو جائے گی البتہ اگر ان باندیوں اور غلاموں کے مدبر ہونے کا دعویٰ کیا تو وہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کیوں کہ حربی شخص کو مدبر بنانے کا شرعاً حق حاصل نہیں ہے

اگر حربی اس عشری چوکی سے پچاس درہم لے کر گذرے تو اتنی مقدار پر اس سے کوئی رقم وصول نہیں کی جائے گی بشرطیکہ دارالحرب میں ہم دارالاسلام کے تاجروں سے اتنی مالیت پر کوئی چنگی نہ لی جاتی ہو، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ دارالاسلام کے تاجروں سے کچھ لیتے ہیں یا نہیں لیتے، یا کس قدر لیتے ہیں ہیں، تو دارالاسلام کی عشری چوکی پر ان سے عشر لیا جائے گا (سراج الوہاج)

عاشر کو اس حربی سے (جو دارالاسلام میں سال بھر سے ہو اور وہ عشری چوکی کی راہ متعدد بار اس کی آمد و رفت ہوئی ہو) صرف ایک ہی بار عشر لینا چاہیئے سال میں دوبارہ وصول نہ کرے، ہاں اگر حربی ایک دفعہ عشر دے کر دارالحرب میں چلا گیا اور اسی روز وہاں سے لوٹ آیا تو اب عاشر کو اس سے عشر لینا چاہیئے (ہدایہ) حربی عاشر (کی چوکی) سے گذرا اور دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب میں پہنچ گیا مگر عاشر کو اس کے گذرنے کی خبر نہ ہو سکی تو اس صورت میں جب دوبارہ وہ شخص دارالاسلام میں آئے گا تو اس سے وہ گذشتہ عشر وصول نہیں کیا جائے گا (تبیین) ہاں اگر ایک مسلمان شخص (جو دارالاسلام کا باشندہ ہو) یا ایک ذمی اس عشری چوکی سے اس طرح بے خبری میں گذر جائیں اور بعد میں عاشر کو ان کے گذرنے کی خبر ہو تو پھر ان سے یہ عشر وصول کیا جائے گا (محیط سرخسی، سراج الوہاج)

اگر کوئی شخص اس عشری چوکی سے ایسی چالیس بکریوں کا ریوڑ لے کر گذرے جن پر دو سال گذر چکے ہوں تو عاشر ان سے سال اول کی زکوٰۃ لے سکتا ہے دوسرے سال کی زکوٰۃ نہیں لے گا (سراج الوہاج) بنی تغلب کے لوگوں سے نصف عشر لیا جائے گا اور ان سے جو وصولیابی . . . کی جاتی ہے وہ جزیہ کا بدل ہے چنانچہ اگر اس قبیلے کی کوئی عورت یا لڑکا مال لے کر عشری چوکی سے گذرے تو عورت سے عشر کی . . . . .

وہی مقدار لی جائے گی جو مرد سے لی جاتی ہے (سراج الوہاج)

اگر کسی شخص کا خوارج کے مقرر کردہ عاشر کے پاس سے گذر ہوا اور اس نے اس شخص سے عشر لے لیا اس کے بعد یہ جمہور مسلمین کے مقرر کردہ عاشر کے پاس سے گذرے تو اس سے دوبارہ عشر لیا جائے گا، البتہ کسی علاقے میں خوارج ہی کا تسلط اور اقتدار ہو جائے اور وہاں کے لوگوں سے چرنے والوں کی زکوٰۃ لے لیں تو پھر ان پر کچھ واجب نہ ہوگا (کافی)

اگر عاشر کے پاس سے ایسی چیز لے کر گذرا جو جلدی تغیر پذیر ہو جائے اور ٹھیرنے والی نہ ہو جیسے تازہ پھل، تر کھجوریں، سبزیاں اور دودھ جب کہ ان کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان پر عشر نہیں ہو صاحبین کے نزدیک عشر ہے (سراج الوہاج محیط، کافی) اگر چرنے والے جانور بقدر نصاب نہیں اور انہیں لے کر عشر ہی کے ایک شخص گذرا جب کہ اس کے گھر میں اور اتنے جانور موجود ہیں جن کے ملانے سے نصاب پورا ہو جاتا ہو تو اس کے بقدر واجب شدہ صدقہ وصول کر لیں گے کیوں کہ دراصل یہ پورا مال (جو اس کے ساتھ ہے یا اس کے گھر ہے) وہ اس کی حمایت (وحفاظت) میں ہے (سراج الوہاج)

پانچواں باب

کانوں کی اور دفینوں کی زکوٰۃ

زمین کے اندر کانوں کے جو قدرتی خزانے ہیں ان میں سے تین طرح کی اشیاء برآمد ہوتی ہیں، حرارت سے پگھلنے والی دھاتیں رقیق اور بہنے والی چیزیں، یا پھر وہ چیزیں جو نہ آگ پر پگھلتی ہوں اور نہ بذات خود پتلی اور رقیق ہوں،

آگ پر پگھلنے والی چیز دھات کی قسمیں ہیں، سونا، چاندی، لوہا، رانگ، تانبا، کانسی وغیرہ ان میں زکوٰۃ کا وجوب پانچویں حصے کے بقدر ہوتا ہے (تہذیب) کان سے یہ دھاتیں برآمد کرنے والا آزاد آدمی ہو، یا غلام ہو، ذمی ہو، یا لڑکا ہو، یا عورت ہو بہرحال پانچواں حصہ زکوٰۃ کا ادا کرنے کے بعد باقی شئے کا برآمد کرنے والا مالک ہوگا البتہ اگر حربی اور مستامن حاکم وقت کی اجازت کے بغیر اگر کان کھودنے کا کام کریں اور دھات برآمد کریں تو انھیں اس برآمد شدہ دھات کا کوئی استحقاق نہ ہوگا بلکہ وہ سب کا سب اسلامی حکومت کی ملکیت ہو جائے گا، ہاں اگر مقررہ شرائط اور معاہدہ طے کر کے اجازت کے بعد دھاتیں برآمد کریں تو طے شدہ معاہدہ کے مطابق مقررہ مقدار کے وہ مالک ہوں گے اور باقی مقدار سرکاری خزانے میں داخل ہوگی یہ کان چاہے عشری زمین میں واقع ہو چاہے خراجی زمین میں (محیط السرخسی)

اگر کسی دفینے کو برآمد کرنے میں دو شخص (ایک ساتھ) جد و جہد کریں اور ان میں سے ایک کے ہاتھ آجائے تو دفینے کا وہی ایک شخص تنہا مالک قرار دیا جائے گا، اگر کوئی شخص کان کنی کا ٹھیکہ لے تو کان سے جو مقدار وہ برآمد کرے گا اس کا وہی مالک ہوگا (بحر الرائق)

معدنی چیزوں میں دوسری قسم وہ ہے جو رقیق اور پتلی ہو، جیسے گندھک، نمک، تیل، پٹرول، اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ رقیق ہو اور نہ پگھلنے والی ہو، جیسے چونا گچ، کوئلہ، جواہر، یاقوت[1]، ان دو قسموں پر تہذیب کی صراحت کے مطابق زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، سیماب میں

---

[1] یعنی اب اگر اس شہر پر جمہور اہل اسلام کا قبضہ ہو جائے تو مقامی باشندوں سے ایام گذشتہ کا جو عشر یا زکوٰۃ جو وہ ادا کر چکے ہیں، دوبارہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ [2] اس تیسری قسم میں وہ چیزیں بھی شامل ہو جائے گی جو دور جدید کی دریافت ہیں مثلاً مختلف قسم کی گیسیں مختلف قسم کی کیمیاوی دیگر رقیق چیزیں، عصری دریافت ریڈیم کو بھی شامل کر لیا جائے گا۔

زکوٰۃ کا پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے (محیط)

کسی شخص کے گھر میں یا اس کی کسی ذاتی زمین میں کوئی معدنی ذخیرہ برآمد ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ واجب نہیں صاحبینؒ کے نزدیک واجب ہے (تبیین) اگر کسی شخص کو دارالاسلام میں کسی ایسی جگہ دفینہ ہاتھ آئے جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو، جیسے صحرائی علاقہ تو اگر مدفون سکوں پر کلمہ شہادت (یا اسلامی سلطنت کی کوئی علامت کندہ ہو) تو اس دفینہ کا وہی حکم ہے، جو پڑی ہوئی چیز پانے کا حکم ہے اور اگر اس پر دورِ جاہلیت (یا کسی کافر سلطنت کی کوئی علامت موجود ہو، مثلاً سکے پر صلیب کی یا بتوں کی تصویر ہو تو پانچواں حصہ زکوٰۃ نکال کر باقی چار حصے پانے والے کی ملکیت ہوں گے (محیط) اگر سکے پر کوئی علامت موجود نہ ہو اور اس کی تشخیص میں اشتباہ واقع ہو تو ظاہر مذہب کے مطابق وہ دفینہ دورِ جاہلیت کا دفینہ قرار دیا جائے گا (کافی) یہ دفینہ (دارالاسلام کا کوئی باشندہ) مرد، عورت، بچہ، بڑا، غلام آزاد، مسلمان، ذمی کوئی بھی پائے سب کا حکم ایک ہے، لیکن اگر دارالحرب کا باشندہ ہو، اور وہ امان (واجازت) لے کر ملک میں آیا ہو تو اس کو اس دفینے میں سے لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، لیکن اگر اس نے حاکم کی اجازت سے کچھ شرائط کے تحت دفینہ برآمد کیا ہے تو ان شرائط کے مطابق حاکم کو عمل کرنا ہوگا اس برآمد کرنے والے نے اس میں سے اپنے لئے ٹھیرالیا ہو تو وہ اس کو دینا ہوگا (محیط)

اگر کوئی دفینہ کسی شخص کی ذاتی زمین میں برآمد ہو تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق اس میں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہے باقی چار حصوں میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس ملک کی فتحیابی کے بعد وہ زمین سب سے پہلے جس شخص کو حاکم کی طرف سے دی گئی تھی باقی چار حصے اس کے ہوں گے (شرح طحاوی)

فتاویٰ عتابیہ میں یہ منقول ہے کہ اگر وہ زمین سب سے پہلے ذمی کو ملی تھی تو اس کو اس دفینے پر کوئی حق نہ ہوگا اور اس زمین کے پہلے مالک کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں اور نہ اسکے ورثاء کے بارے میں کوئی تحقیق ہو تو پھر مسلمانوں میں جس شخص کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ اول اول اس زمین کا مالک ہوا ہے تو یہ چار حصے اس کو دیئے جائیں گے (تاتارخانیہ)

اگر وہ پہلا اصلی مالک موجود نہ ہو تو اس کے وارثوں کو یہ چاروں حصے ملیں گے (بحرالرائق منقول از شرح طحاوی و بدائع) اور اگر کسی کے بارے میں کچھ معلومات نہ ہوسکیں تو پھر بیت المال (یعنی داخل ہو کر ریاست) کی ملکیت بن جائے گا (محیط سرخسی) اور اگر کسی مسلمان کو دارالحرب کی سرزمین میں کسی ایسی جگہ کوئی مدفون خزانہ یا کان ہاتھ لگے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے تو اس پر اس شخص کا حق ہے اور اس میں پانچواں حصہ زکوٰۃ کا واجب نہ ہوگا (کیوں کہ اسلامی حدودِ اقتدار سے باہر ہے) اور اگر یہ کان اور دفینہ کسی کی مملوکہ زمین میں برآمد ہو تو اگر وہ دارالحرب میں ان لوگوں سے باقاعدہ پروانۂ اجازت لے کر گیا تھا، پھر جو کچھ اس نے اس زمین میں برآمد کیا ہے وہ ان کو واپس کر دے اور اگر وہ اس کو دارالاسلام میں لے کر چلا آیا تو اب یہ آمد شدہ چیز اس کی ملکیت تو ہو جائے گی مگر حلال نہ ہوگی اس کا بیچنا اس کو جائز ہوگا مگر اس کا خریدنا کسی کے لئے حلال نہ ہوگا[1] (شرح طحاوی) فقہاء کے نزدیک اس آمد شدہ مال کو صدقہ کر دینا چاہیئے (بحرالرائق) ہاں اگر دارالحرب میں پروانۂ امن لئے بغیر چلا گیا تھا، اور پھر کسی کان سے یا دفینے سے کوئی چیز برآمد کر لایا تو پھر اب یہ اس

---

[1] ملکیت ہونا اور حلال نہ ہونا دو بظاہر متضاد سی باتیں ہیں، مگر اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی زندگی جہاں قانونی ہدایات کی محتاج ہیں وہاں اخلاقی ہدایات بھی اس کے لئے ناگزیر ہیں ایک شخص قانونی نقطۂ نظر سے ایک چیز کو اپنی ذاتی محنت و کوشش سے اسلامی سرزمین میں لے کر داخل ہوا ہے اس لئے قانوناً وہ اس کی اپنی چیز ہوگی، مگر ..... وہ دارالحرب سے برآمد شدہ مال ہے جس کے لئے ان لوگوں سے کوئی اجازت اسے حاصل نہیں ہوئی اس لئے اسے حلال نہیں کہا جا سکتا۔

کی ملکیت ہوگی اور اس میں پانچواں حصہ زکوٰۃ کا بھی واجب ہوگا کیوں کہ وہ دارالحرب سے حاصل شدہ مال ہو (محیط سرخسی) اگر کسی جگہ سامان مثلاً اسلحہ، گھریلو اسباب، کپڑے اور نگینے برآمد ہوں تو وہ بھی خزانے کے حکم میں ہے اور اس پر زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہوگا (تبیین) دریا سے جو چیزیں برآمد ہوں، جیسے عنبر موتی اور مچھلی ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی (قاضی خان) یا اگر چاندی اور سونا برآمد ہو تو فقہائے اسلاف کے نزدیک اسمیں بھی زکوٰۃ نہیں ہے (تہذیب) پہاڑی علاقوں میں جو (پتھر) فیروزہ (وغیرہ کی قسم سے برآمد ہو اسمیں بھی خمس واجب نہیں ہے (ہدایہ

چھٹا باب

زراعت اور پھلوں کی زکوٰۃ

زرعی پیداوار اور پھلوں میں زکوٰۃ فرض ہے کیوں کہ جس زمین میں یہ چیزیں پیدا ہوئیں اس کی پیداوار حقیقتاً نفع بخش ثابت ہوئی ہے خراجی زمین کا حکم دوسرا ہے کیوں کہ خراجی زمین میں خراج کے وجوب کا سبب یہ ہے کہ وہ زمین یا تو واقعتاً نفع بخش ہو یا معنوی طور پر فائدہ رساں ہو کہ اس زمین سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا مگر شخص متعلق نے اس کو استعمال نہیں کیا تو اس صورت میں عشر تو واجب ہوگا مگر خراج دینا پڑے گا کسی آسمانی آفت سے کھیتی برباد ہوگئی تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، زرعی زکوٰۃ کا رکن اس کا کسی کی ملکیت میں آجانا ہے اس کی ادائیگی کی شرط وہی ہے جو زکوٰۃ کے شروع) میں ذکر کی گئی ہیں، اس کے وجوب کی شرط دو طرح کی ہے پہلی یہ کہ آدمی میں اس کی اہلیت ہو یعنی وہ مسلمان ہو یہ شرط تو وجوب زکوٰۃ کے آغاز کے لئے ہے چنانچہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ عشر مسلمان کے علاوہ کسی اور پر شرعاً واجب نہیں ہے اس کی فرضیت کا علم ہونا بھی شرط ہے، عقل اور بلوغ وجوب عشر کے شرائط میں سے نہیں ہے، چنانچہ پاگل آدمی اور نابالغ بچے کی زمین پر عشر واجب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشر درحقیقت اس متعلقہ زمین کی اجرت (کے قائم مقام) ہے اس لئے امام کو جبراً عشر وصول کرنے کا بھی حق حاصل ہے لیکن جبراً وصول کی صورت میں عشر کی (قانونی) ادائیگی تو ہو جائے گی اور اس کے ذمے سے ساقط بھی ہو جائے گا مگر عند اللہ اس شخص کو اس عشر کا ثواب نہ ہوگا،

کسی شخص پر واجب ہے وہ بغیر ادا کئے مر جائے اور اس کے یہاں غلہ موجود ہے تو اس میں سے عشر وصول کیا جائے گا جب کہ زکوٰۃ کے بارے میں ایسا حکم نہیں ہے، عشر کے واجب ہونے کے لئے زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں، چنانچہ وقف کی اجازت یافتہ غلام کی اور مکاتب کی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا،

وجوب عشر کی دوسری قسم یہ ہے کہ عشر کے واجب ہونے کا محل اور موقع ہو اور وہ یہ کہ زمین عشری ہو، خراجی زمین کی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہوتا، عشری زمین ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ زمین افتادہ اور بے کار نہ چھوڑی گئی ہو بلکہ اس میں زراعت کی گئی ہو اور زراعت بھی وہ جس کے ذریعہ زمین کی قوت، پیداکش کو مدد ملتی ہو، خودرو پیداوار لکڑی، جھاؤ، سرکنڈے اور کھجور کے پتوں جیسی چیزوں پر عشر واجب نہیں ہوتا کیوں کہ جس زمین میں یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ زمین خراب ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے زمین کی پیداواری کی صلاحیت بڑھنے کے بجائے گھٹتی ہے، اگر بید کے درخت، گھاس، سرکنڈے اور کھجور کے پتے کی پیداوار بالارادہ اور کسی مقصد کی خاطر کسی قطعہ زمین میں کی گئی ہو، یا چنا یا صنوبر کے درخت لگائے گئے ہوں اور انہیں کاٹ کر فروخت کرنا (اور ان سے نفع اٹھانا مقصود) ہو ایسی چیزوں میں بھی عشر واجب ہوگا (محیط سرخسی) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین پر جس قسم کی زراعت کی جائے اور اس سے کسی نوع کی پیداوار ہو ان سب میں عشر واجب ہے، جیسے گیہوں، جو، چنا (باجرا مکئی) چاول ہر طرح کا غلہ اور ترکاریاں

پھل چھوارے، گنا، خربوزہ، ککڑی، بینگن، اور کھیرہ زعفران وغیرہ، خواہ ان کے پھل (پوری فصل تک) باقی رہیں یا نہ رہیں کم ہوں یا زیادہ ہوں (فتاویٰ قاضی خاں) یہ ضروری نہیں کہ اس پیداوار کی آب پاشی نہر کے ذریعے سے ہوتی ہو، یا بارش سے پھر مقدار کے لحاظ سے پیداوار کا ذخیرہ ایک بارِ شتر کے برابر یعنی ساٹھ صاع کے بقدر ہو یا نہ ہو (عشر واجب ہوگا (شرح طحاوی)

السی کے پیڑوں اور بیجوں میں عشر واجب ہوتا ہے کیوں کہ ان دونوں چیزوں سے استفادہ مطلوب ہوتا ہے (شرح مجمع) اخروٹ بادام زیرہ اور دھنیا (وغیرہ) میں عشر واجب ہوتا ہے (مضمرات) عشری زمین میں شہد کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہوتا ہے اگر کسی کی زمین میں کسی درخت پر بھی شہد جم جائے تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا (خزانۃ المفتیین) جو پھل ایسے پیڑوں سے رکھیں جائیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں جیسے پہاڑی علاقوں کے درخت تو ان میں عشر واجب ہوتا ہے (ظہیریہ)

جو چیزیں زمین کے تابع ہوں (یعنی خودرو پیداوار) جیسے کھجور وغیرہ کا درخت یا وہ چیزیں جو درختوں سے (خودبخود) برآمد ہوتی ہوں، جیسے گوند، رال، لاکھ وغیرہ، ان میں عشر واجب نہیں ہوتا کیوں کہ (بالعموم) زمین سے اس طرح کی چیزوں کا حصول مقصود نہیں ہوتا (بحرالرائق) ایسے تخم جو کھیتی اور دواسازی کے علاوہ کسی اور چیز میں کارآمد نہیں ہوتے مثلاً خربوزہ کے بیج، کلونجی اور اجوائن وغیرہ ان پر عشر واجب نہیں ہوتا (مضمرات) بھنگ صنوبر، کپاس، بینگن، کیلا، کندر اور انجیر میں عشر واجب نہیں ہوتا[1] (خزانۃ المفتیین) کسی شخص کے گھر میں پھل دینے والے کچھ درخت کھڑے ہوں تو ان کی پیداوار پر عشر نہیں ہے (شرح مجمع بن ملک) جس زمین کی رہٹ سے (گویا آب پاشی کے مصنوعی طریقوں سے) آبیاری کی جائے اس پر نصف عشر ہے (خزانۃ المفتیین) عشر کا وجوب فصل کی تیاری اور پھلوں کے برآمد ہونے پر ہوتا ہے (بحرالرائق) کھیتی کرنے سے قبل زمین کا عشر ادا کرنا صحیح نہیں ہے ہاں بیج ڈالنے اور دانہ جم جانے کے بعد عشر ادا کرنا جائز ہے، لیکن بیج ڈالنے کے بعد اس کے جمنے سے پہلے عشر ادا کیا تو ظاہر تر یہ ہے کہ جائز نہیں، پھلوں کے ظہور سے پہلے عشر ادا کرنا ظاہر روایت کے تحت جائز نہ ہوگا ہاں پھلوں کے لگتے ہی دے دیا تو جائز ہے (شرح طحاوی)

اگر فصل کسی آسمانی آگ سے برباد ہو جائے اور کھیتی کے خراب ہونے میں اس کاشتکار کے کسی فعل کو دخل نہ ہو تو عشر اس وقت ساقط ہو جائے گا اور اگر جزوی نقصان ہوا تو اس کے بقدر عشر کم ہو جائے گا کوئی دوسرا شخص فصل کو برباد کر دے تو مالک کو اس شخص سے ضمان لے کر عشر ادا کر دینا چاہیئے ہاں مالک خود اپنا کھیت برباد کر دے تو وہ عشر کا ضامن ہوگا جو اس کے ذمے قرض ہے لیکن یہ قرض مرتد ہونے کی صورت میں یا اس کے بارے میں کوئی وصیت کئے بغیر مرجانے کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس نے اس قرض کو ضائع کر دیا ہو (یعنی اس کے پاس کوئی ایسی مالیت موجود نہ ہو جس سے یہ قرض چکایا جا سکے (بحرالرائق)

اگر کسی تغلبی شخص کے پاس عشری زمین ہو تو اس سے اس کا عشر دگنا لیا جائے گا بلکہ کوئی ذمی شخص اس تغلبی سے یہ زمین خریدے تب بھی اس کا عشر دگنا رہے گا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ تغلبی اگر مسلمان ہو جائے یا زمین اس سے کوئی مسلمان خرید لے تب بھی اس کا عشر دگنا ہی وصول کیا جائے گا خواہ شروع ہی سے اس زمین کا عشر دگنا ہو یا بعد میں اضافہ کیا گیا ہو اگر کسی مسلمان نے اپنی زمین تغلبی شخص کے سوا کسی ذمی کو دیدی اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اس زمین پر خراج واجب ہوگا۔ البتہ شفعہ کے ذریعے سے کوئی مسلمان اس زمین کو حاصل کر لے، یا بیع فاسد ہونے کی وجہ سے معاملہ ختم ہو جائے اور وہ پھر اس مسلمان کو

---

[1] یہ جزیہ غور طلب ہے اس لئے کہ کپاس تو نفع بخش زراعت میں شامل ہے اور کیلا اور انجیر پھلوں کی قسمیں ہیں، بینگن سبزیوں میں شمار ہوتا ہے کندر اور بھنگ البتہ ایسی چیزیں ہیں جو دواسازی میں کام آتی ہیں۔

پاس لوٹ آئے تو اب یہ زمین عشری ہوگی کہ پہلے سے تھی، تغلبی عورتوں اور بچوں پر بھی وہی مقدار واجب ہے، جوان کے مردوں پر ہے ہاں مجوسی کے گھر پر کچھ واجب نہیں ہوتا (ہدایہ)

اگر ایک مسلمان اپنے مکان کو باغ میں تبدیل کرے تو اس کا محصول پانی کی نوعیت پر موقوف ہو اگر اسے عشری پانی سے سیراب کرے گا تو وہ زمین عشری کہلائے گی اگر خراجی پانی سے اس کی آب پاشی کرے گا تو وہ زمین خراجی ہوگی، اور اگر ذمی شخص اپنے مکان کو باغ بنا دے تو اس پر بہر حال خراجی محصول واجب ہوگا آب پاشی خواہ خراجی پانی سے کرے خواہ عشری پانی سے البتہ اس کے گھر پر کوئی محصول واجب نہ ہوگا (تبیین) اسی طرح قبرستان پر کچھ واجب نہ ہوگا (بحرالرائق) اگر کوئی مسلمان یا ذمی شخص ایک دفعہ خراجی پانی دے اور ایک دفعہ عشری پانی دے، تو مسلمان سے عشر اور ذمی سے خراج لینا زیادہ بہتر ہے (معراج الدرایہ) عشری پانی ان کنوؤں اور چشموں کا پانی جو عشری زمین میں ہوں، برساتی پانی اور بڑے دریاؤں کا پانی بھی عشری شمار ہوتا ہے (محیط) وہ نہریں جو بیرونِ عرب کے لوگوں نے نکالی ہوں خراجی پانی شمار ہوتی ہیں، اسی طرح خراجی زمین کے کنوؤں کا پانی خراجی کہلاتا ہے دریائے سیحون دجلہ اور فرات کا پانی امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک خراجی ہے

اگر عشری زمین کرایہ پر دیجائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک عشر کی ادائیگی مالک پر واجب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک کرایہ دار پر (خلاصہ) اگر کھیتی فصل (تیار ہونے اور) کٹنے سے پہلے کسی آفت کا شکار ہو کر ضائع ہو جائے تو مالک پر عشر واجب نہیں اور اگر فصل کٹنے کے بعد پیداوار ضائع ہوئی ہے تو عشر بدستور مالک پر واجب رہے گا صاحبینؒ کے نزدیک ہر حال میں خواہ کھیتی کٹنے سے پہلے برباد ہو گئی ہو یا کٹنے کے بعد عشر ساقط ہو جائے گا (شرح طحاوی) اور اگر کسی مسلمان سے زمین مانگ کر کھیتی کی، تو کھیتی کرنے والے پر عشر واجب ہوگا اگر کسی کافر کو اس کی طلب پر زمین دی تو امام اعظم کے نزدیک لینے والے پر عشر واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس غیر مسلم پر البتہ امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ایک عشر واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو عشر (محیط سرخسی)

اگر کسی شخص کی زمین میں کھیتی کی اور پیداوار میں اسے شریک بنا لیا تو صاحبینؒ کے نزدیک ان دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا اور امام اعظمؒ کے قول کے مطابق مالک پر ہوگا، مگر مالک کے حصے کا عشر اسکی پیداوار سے دینا ہوگا اور کاشتکاری کے حصے کی پیداوار کا عشر مالک کے ذمے قرض رہے گا[1] (بحرالرائق) اگر پیداوار ضائع ہوگئی تو صاحبینؒ کے نزدیک مالک اور کاشتکار دونو کے ذمے سے عشر ساقط ہو جائے گا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر فصل کٹنے سے پہلے پیداوار ضائع ہوگئی تو یہی حکم رہے گا اور اگر فصل کٹنے کے بعد پیداوار ضائع ہوئی ہے تو کاشتکار کے حصے کا عشر مالک کو دینا ہوگا اگر فصل پکنے کے بعد اور کٹنے سے پہلے کوئی شخص فصل کو برباد کردے یا چرا کر لیجائے تو عشر واجب ہوگا لیکن جب اس مجرم سے اس پیداوار کا ضمان وصول ہوگا تو اس میں سے مالک کو عشر دینا پڑے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک اور کاشتکار دونوں کو ضمان ملنے کے بعد عشر دینا ہوگا (محیط سرخسی)

اگر کوئی شخص عشری زمین کو غصب کرے اور اس میں کھیتی شروع کردے تو اگر کاشتکاری سے زمین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو مالک پر کوئی عشر واجب نہیں اور اگر اس غصب کرنے والے کی کاشتکاری سے زمین کو کچھ نقصان پہنچا ہے تو مالکِ زمین پر عشر واجب ہوگا (خلاصہ) عشری زمین کو مع اس کی تیار فصل کے مالک نے فروخت کردیا، یا صرف فصل بیچی تو عشر اس فروخت

---

[1] وہ پانی جو عشری زمینوں سے نکلتا ہو [2] یعنی کاشتکار والے حصے کی پیداوار پر جو عشر واجب ہوگا وہ اگرچہ دینا تو ہوگا مالک زمین ہی کو، مگر اسی پیداوار میں سے دینا ضروری نہیں، بلکہ وہ بطور قرض اس کے ذمے ہوگا خواہ کہیں سے ادا کردے۔

کنندہ پر واجب ہوگا۔ خریدنے والے پر نہ ہوگا اور اگر صرف زمین فروخت کی اور فصل ابھی پختہ نہیں ہوئی اور اسی وقت خریدنے والے نے زمین سے فصل کی پیداوار کو الگ کر دیا تو بیچنے والے پر عشر واجب ہے لیکن خریدار نے فصل اسی وقت جدا نہیں کی بلکہ اس کو بدستور باقی رکھا اور زمین پر رہنے دی (اس کی پیداوار کے) قبضہ کر لیا تو اس خریدار پر عشر واجب ہے (شرح طحاوی)

اگر عشری پیداوار کو فروخت کر دیا تو عشر وصول کرنے والے سرکاری کارندہ کو اختیار ہے کہ عشر خریدار سے وصول کرے یا بیچنے والے سے اگرچہ خرید و فروخت کی مجلس باقی نہ رہی ہو، اگر عشری پیداوار کو (اس کی عام بازاری) قیمت سے زیادہ داموں[1] فروخت کر دیا اور ابھی اس ذخیرے پر خریدار کا قبضہ نہیں ہوا تو عشر وصول کنندہ چاہے پیداوار کے اسٹاک میں سے عشر وصول کرے چاہے قیمت میں سے اور اگر بیچنے والے نے اس پیداوار کی قیمت اتنی بڑھا دی کہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں تو ایسی صورت میں عشر وصول کنندہ اسی پیداوار میں سے عشر لے گا اور اگر وہ پیداوار ضائع کر دی تو اس مالک سے اسی پیداوار کے ہم جنس پیداوار میں سے عشر وصول کرے گا، لیکن اگر مالک اس کی قیمت کا دسواں حصہ ادا کر دے تو پھر پیداوار میں سے عشر نہیں لیا جائے گا اور اگر پیداوار کو خریدار نے ضائع کر دیا تو عشر وصول کرنے والا چاہے تو بیچنے والے سے ضمانت لے اور چاہے خریدار سے، اسی پیداوار کی ہم جنس اور ہم مثل سے ضمانت بھی لی جائے گی کیوں کہ دونوں فریق نے اپنا حق ضائع کر دیا ہے۔

اگر انگور فروخت کئے تو اس کی قیمت میں سے عشر لے گا اسی طرح انگوروں کا رس نکال کر فروخت کیا تو اس شیرہ کی قیمت کا عشر واجب ہوگا (محیط سرخسی) اس عشر کے اندر کارکنوں کی اجرت، بیلوں کا خرچہ، آب پاشی کا صرفہ، پہرہ دار کی تنخواہ، اور دیگر اخراجات وضع نہیں کئے جائیں گے بلکہ جس قدر پیداوار ہوئی ہو اسی کا نصف یا پورا عشر لیا جائے گا (بحر الرائق) عشر ادا کرنے سے پہلے اس غلے میں سے کچھ نہ کھانا چاہیئے (ظہیریہ) البتہ عشر نکالنے کے بعد باقی مقدار کو استعمال کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (عشر ادا کرنے سے پہلے) جتنے پھل استعمال کرے گا ان کے عشر کا ضامن ہوگا (محیط سرخسی)

ساتواں باب

مصارف زکوٰۃ وغیرہ

زکوٰۃ کا (حق دار) اور مصرف فقیر آدمی ہے، فقیر اس کو کہتے ہیں، جس کے پاس ذاتی سرمایہ نصاب سے کم ہو یا بقدر نصاب ہو، مگر بڑھنے والا سرمایہ نہ ہو، یا اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو، چنانچہ اگر ایک آدمی زکوٰۃ کے متعدد نصابات کا مالک ہو مگر وہ سب نصاب بڑھنے والے نہیں تو اگر وہ اس کی ذاتی حاجت سے زیادہ نہیں ہے تو یہ شخص فقیر شمار ہوگا (فتح القدیر) جاہل فقیر کے مقابلے میں عالم فقیر کو صدقہ دینا افضل ہے (زاہدی) زکوٰۃ کا دوسرا مصرف (اور حق دار) مسکین آدمی ہے، مسکین وہ ہے، جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور اپنے تن ڈھانکنے اور پیٹ بھرنے کے لئے سوال کرنے پر مجبور ہو اور اسے سوال کرنا جائز ہو، فقیر کو سوال کرنا جائز نہیں کیوں کہ اس شخص کو سوال کرنا جائز نہیں ہے جو اپنا بدن ڈھکنے اور پیٹ بھرنے پر قادر ہو اور ایک دن کی خوراک کا مالک ہو (فتح القدیر) زکوٰۃ کا تیسرا مصرف عامل ہے یعنی وہ شخص جسے حاکم وقت صدقات اور عشر وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے (کافی) عامل کو اتنا ملے گا

---

[1] یعنی عام نرخ سے صرف دو چار روپے زائد بڑھانے کے بجائے دوگنے اور تگنے دام کر دے۔

معاوضہ دینا چاہیئے (کہ اس کے لئے اور اس کے معاونین کے لئے اوسط درجے کا خرچ ہو اور یہ ان کی آمد و رفت کی مدت تک کفایت کر سکے جب تک کہ مال باقی ہو لیکن اگر اتنی مقدار کے دینے میں ساری (وصول شدہ) زکوٰۃ صرف ہو جائے، تو پھر ان کا معاوضہ (وصول شدہ) زکوٰۃ کی نصف مقدار سے زیادہ نہ دیا جائے (بحر الرائق) اگر ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ خود ہی حاکم کے پاس لے جا کر پیش کر دے تو پھر اس وصول شدہ زکوٰۃ میں عامل کا کوئی حق نہیں ہے (الینابیع، محیط سرخسی) ہاشمی عامل کو اس مال میں سے دینا جائز نہیں، تاکہ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی تعلق صدقات کے میل کچیل سے آلودہ نہ ہو جائے، ہاں عامل (صاحب حیثیت اور صاحب نصاب) مال دار ہو تو اس کو اس مال میں سے معاوضہ[1] دیا جا سکتا ہے (تبیین) ہاں ہاشمی عامل کو صدقات کی وصولیابی کا کام دیا جائے اور اسے دوسری مدات سے (صدقہ کے علاوہ) مشاہرہ دیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں (خلاصہ)

اگر عامل کے پاس سے (وصول شدہ) مال ضائع ہو جائے یا ہلاک ہو جائے تو اس کا حصہ اس میں سے ساقط ہو جائے گا اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (سراج الوہاج) اگر عامل اپنا حق واجب ہونے سے پہلے اپنا حصہ وصول کرنا چاہے تو اسے لینا جائز ہے، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ پیشگی نہ لے (خلاصہ)

زکوٰۃ کا چوتھا مصرف غلاموں کو آزاد کرنا ہے اور وہ مکاتب[2] غلام ہیں (محیط سرخسی) زکوٰۃ اس مکاتب کو جو مال دار ہو ادا کرنا جائز ہے خواہ زکوٰۃ دینے والے کو اس کی مال داری کا علم ہو یا نہ ہو (خلاصہ، محیط سرخسی) کسی ہاشمی شخص کے مکاتب غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ یہ مال ایک حیثیت سے مالک ہی کی ملکیت ہوگا اور (ایسے مقام پر) شبہ بھی حقیقت ہی شمار ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا پانچواں مصرف مقروض لوگ ہیں اور وہ ایسا مقروض ہے جس کے ذمے اتنا قرض ہو کہ اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال نہ بچتا ہو، یا دوسروں کے پاس اس کا مال ہو مگر جس کی وصولیابی ممکن نہ ہو (تبیین) مقروض شخص کو بہ نسبت محتاج کے زکوٰۃ دینا افضل ہے (مضمرات) زکوٰۃ کا چھٹا مصرف فی سبیل اللہ دینا ہے یہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک وہ محتاج لوگ ہیں جو اسلام کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین سے (اپنے فقر کی وجہ سے) بچھڑ گئے اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ محتاج لوگ ہیں جو حاجیوں کے قافلے سے بچھڑ گئے (تبیین) اور امام ابویوسفؒ کا قول صحیح ہے (مضمرات) زکوٰۃ کا ساتواں مصرف ابن السبیل یعنی مسافر ہے جو اپنے مال سے (اس وقت) بے تعلق ہو (بدائع) اسے ضرورت کے بقدر زکوٰۃ لینا جائز ہے ضرورت سے زیادہ لینا جائز نہیں اس آدمی کا بھی یہی حکم ہے جو اپنے مال سے (وقتی طور پر) بے تعلق ہو اگرچہ اپنے ہی شہر میں کیوں نہ ہو کیونکہ درحقیقت زکوٰۃ میں احتیاج ہی کا اعتبار ہوتا ہے اگر اس کے پاس اپنی حاجت سے زائد مال بچ رہے تو مال پر قدرت رکھنے کے باوجود اس زائد مال کا صدقہ کرنا لازم نہیں، جیسا کہ فقیر اگر غنی ہو جائے تو اسے ایسا کرنا ضروری نہیں (تبیین) مسافر کو صدقہ قبول کرنے کے مقابلے میں قرض لینا بہتر ہے (ظہیریہ)

یہ سب مصارفِ زکوٰۃ ہیں، مالکِ نصاب کو اختیار ہے کہ ان ساری قسموں پر اپنی زکوٰۃ تقسیم کرے اور اسے یہ بھی اجازت ہے کہ ایک ہی قسم کے لوگوں کو ساری زکوٰۃ دیدے (ہدایہ) اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی ایک ہی شخص کو دیدے (فتح القدیر) زکوٰۃ کا مال اگر نصاب سے کم ہے تو ایک ہی شخص کو دینا افضل ہے (زاہدی) کسی ایک ہی شخص کو بیک وقت دو سو درہم یا زیادہ دینا مکروہ ہے اگر دیدیئے تو

---

[1] اس کو معاوضہ اس کی محنت کا ملے گا صاحب نصاب ہونے کی حیثیت سے اسے لینا جائز نہیں، مگر صدقات کا مال وصولیابی کے انتظامی امور پر خرچ کرنا جائز ہے، جیسا کہ قرآن کی آیتِ زکوٰۃ میں صراحت ہے البتہ ہاشمی عامل کو احتیاطاً اس مال سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

[2] وہ غلام جن سے ان کے مالکوں نے یہ معاہدہ کر لیا ہو کہ تم اتنی رقم ہمیں ادا کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔

جائز ہے (ہدایہ) یہ اس صورت میں ہے جب محتاج شخص قرض دار نہ ہو اگر مقروض ہو اور اسے قرض کے بقدر اتنی زکوٰۃ دے دی، کہ قرض دینے کے بعد اس کے پاس کچھ نہ بچے یا دو سو درہم سے کم باقی رہے تو یہ جائز ہے اگر وہ مقروض شخص بال بچے دار ہے تو پھر اسے اتنا دیدے کہ اگر وہ اپنے بال بچوں پر یہ مال تقسیم کرے تو ہر ایک کے حصے میں دو سو درہم سے کم آئیں (قاضی خاں) اور اتنا دینا مستحب ہے کہ اس روز اس شخص کو مانگنے کی ضرورت نہ پڑے (تبیین)، ذمیوں پر بالاتفاق زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز نہیں ہاں دوسرے نفلی صدقات بالاتفاق ان پر خرچ کئے جا سکتے ہیں، صدقہ فطر، نذر، اور کفارات میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے لیکن مسلمان محتاجوں کو دینا مسلمان مال داروں کے لئے زیادہ بہتر ہے (شرح طحاوی) حربی مستامن[1] کو بالاجماع زکوٰۃ اور صدقات واجبہ سب کے نزدیک جائز ہے، صدقہ نفلی البتہ دیا جا سکتا ہے (سراج الوہاج)

زکوٰۃ کے مال سے مسجد کی تعمیر، پلوں کی، حماموں کی، شاہ راہوں کی اور نہروں کی تیاری درست نہیں اسی طرح جہاد اور حج میں زکوٰۃ کا پیسہ صرف کرنا جائز نہیں گویا وہ سب صورتیں جن میں کسی کو مالک نہیں بنایا جا سکتا زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتیں اسی طرح زکوٰۃ سے مردہ کو کفن دینا اور اس کا قرض ادا کرنا جائز نہیں ہے (تبیین) زکوٰۃ سے غلام کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں، اپنی نسبی اصل کو بھی زکوٰۃ نہیں دیجا سکتی، یعنی ماں باپ اور ان دونوں کے اوپر جدی سلسلے کے لوگ اور اسی طرح اپنی نسبی شاخ کو جس میں بیٹا اور بیٹی اور ان کا اگلا نسبی سلسلہ شامل ہے، زکوٰۃ نہیں دیجا سکتی (کافی)، آدمی جس بیٹے کو اپنا بیٹا تسلیم نہ کرتا ہو یا جو اس کے اپنے فعل زنا کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو اس کو بھی وہ زکوٰۃ نہیں دے سکتا (تمرتاشی) اپنی بیوی کو بھی اسی بنا پر زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے کہ عرفاً بیویاں (مرد کے) منافع میں شریک رہتی ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر کو بھی بیوی زکوٰۃ نہیں دے سکتی (ہدایہ) اپنے غلام، مکاتب، مدبر اور اپنی ام ولد کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک آدمی اپنے جزوی معتق کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا یعنی وہ غلام جس کا وہ پورا مالک تھا تو مثلاً اس نے ایک چوتھائی ملکیت کے بقدر آزاد کر دیا یا اس غلام کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک تھا اس شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور جس نے اپنے حصہ کو آزاد نہیں کیا تھا اس نے اس حصہ کی قیمت کے بقدر غلام سے کچھ ٹھیرا لیا کہ وہ اتنی رقم کما کر اسے دیدے تو یہ غلام اس شخص کا مکاتب کہلائے گا اور اگر اس شخص نے اس آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کا تاوان لے لیا یا اس مکاتب کو زکوٰۃ کوئی اجنبی شخص دے تو ایسا جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں وہ اس شخص کے لئے اپنا مکاتب نہ رہا بلکہ دوسرے شخص کی مکاتب کی طرح ہو گیا (تبیین) جو شخص کسی سرمائے میں نصاب زکوٰۃ رکھتا ہو، جیسے نقد روپے یا سائمہ جانور یا تجارتی یا غیر تجارتی سامان جو پورے سال بھر تک اس کی حاجت سے زائد اس کے پاس رہا ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ نہیں دیجا سکتی (زاہدی) البتہ یہ شرط ملحوظ رہے کہ یہ سامان یا سرمایہ اس کی ضروریات سے زائد ہو اور حاجت اصلی میں، رہائشی مکان، گھریلو سامان، کپڑے، نوکر، سواری، اور اسلحہ یہ چیزیں داخل ہیں ہاں یہ شرط نہیں کہ یہ سرمایہ بڑھنے والے اور ترقی پذیر سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہو کیوں کہ یہ وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے زکوٰۃ کا مصرف نہ ہونے کی شرط نہیں (کافی) جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ تندرست اور برسر روزگار ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے (زاہدی)

مال دار شخص کے غلام کو اگر وہ مکاتب نہیں ہے تو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے (معراج الدرایہ) مال دار آدمی کے نابالغ بیٹے کو بھی زکوٰۃ نہیں دیجا سکتی (تبیین) ہاں اگر اس کی اولاد بالغ ہو اور محتاج ہو تو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے مال دار کی بیوی اگر محتاج ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے مال دار کی بڑی لڑکی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اسلئے کہ مقدار نفقہ جو اسے باپ سے ملتی ہے اس کی بنا پر وہ لڑکی مال دار نہیں

---

[1] وہ کافر شخص جو دار الحرب کا باشندہ ہو اور اسلامی ریاست میں اجازت لے کر آیا ہوا ہو۔

ہوتی. باپ اور بیوی کے سرمایہ دار ہونے سے اولاد اور بیوی کا سرمایہ دار ہونا لازمی نہیں (کافی) اگر کسی سرمایہ دار کا باپ فقیر ہو تو اسے (دوسرا شخص) زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے (شرح طحاوی) زکوٰۃ کا مال اس شخص کے لئے حلال ہے جس کے لئے سوال جائز نہیں بشرطیکہ وہ نصاب کامل نہ رکھتا ہو اگر اس کے پاس اتنی کتابیں جن کی قیمت دو سو درہم ہوتی ہو لیکن اسے درس تدریس یا تصحیح و تعلیم کے لئے ان کی ضرورت ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے (فتاوی قاضی خاں) یہ کتابیں فقہ، حدیث، ادب، کسی فن کی ہوں (محیط سرخسی) ایسے ہی اگر متعدد قرآنی نسخے ہوں اور ان کی اسے ضرورت ہو تو ان کا بھی حکم یہی ہے، البتہ اگر ان کی احتیاج نہ ہو تو نہ کسی کو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہ اسے لینا جائز ایسے ہی اگر کسی کے پاس دو دکانیں ہوں، یا تین ہزار درہم کا مالیتی گھر کرایہ پر چڑھا ہو، مگر ان کی آمدنی اس کے اور اس کے بال بچوں کے لئے کافی نہ ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر اس کے پاس تین ہزار درہم کی زمین ہے جس کی پیداوار اس کی اخراجات کے لئے کافی نہیں تو اس میں کچھ اختلاف ہے محمد بن مقاتل کے نزدیک اس کے لئے زکوٰۃ جائز ہے اگر کسی کے پاس دو سو درہم کی مالیت کا باغ ہے تو فقیہار کے نزدیک اس باغ میں گھر کی ضروریات، مثلاً باورچی خانہ، غسلخانہ، وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ اس شخص کی حیثیت ایسی ہو، جیسے کسی کے پاس سازو سامان اور جواہرات ہوں۔

ایک شخص نے اپنا روپیہ لوگوں کو قرض دے رکھا ہو، جو کسی خاص میعاد ہی پر وصول ہو سکتا ہے اور اسی دوران میں اس کو اخراجات کے لئے پیسے کی ضرورت ہو تو اس وقت یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے مگر اتنی جو اپنے قرض کی میعاد پورا ہونے تک اسکے اخراجات کو کافی ہو اگر قرض غیر میعادی ہے اور جس کو اس نے قرض دیا ہے وہ محتاج ہو تو اسے اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا جائز ہے کیوں کہ وہ اس وقت مسافر کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس کا قرض دار پیسے والا آدمی ہے اور اس کے قرض کو تسلیم بھی کرتا ہو تو اب اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں اگر وہ قرض دار قرض کو تسلیم نہ کرتا ہو اور قرضے کے گواہ عادل ہوں تب بھی یہی حکم ہے ہاں گواہ غیر عادل ہوں تو اس وقت تک یہ شخص زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتا، جب تک کہ یہ قاضی کے یہاں دعویٰ نہ پیش کرے اور قاضی قرض دار سے اس کے انکار پر قسم نہ لے قرضدار کے قسم کھا لینے کے بعد اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے (قاضی خاں) یہی قول صحیح ہے (زاہدی) زکوٰۃ کا مال بنی ہاشم کو نہ دیا جائے، بنی ہاشم میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفر بن عقیلؓ اور حارث بن عبد المطلب کی اولاد شمار ہوتی ہے (ہدایہ) ان کے علاوہ دوسرے بنی ہاشم جیسے ابولہب کی اولاد، ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اس لئے کہ دین کی اشاعت میں، انھوں نے رسول اللہ کی مدد نہیں کی (سراج الوہاج) یہ حکم ان صدقات کا ہے جو واجب ہیں، جیسے زکوٰۃ، نذر، کفارے، عشر اور جو صدقات نافلہ ہیں وہ سب بنی ہاشم کو دئے جا سکتے ہیں (کافی) بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی (عینی شرح کنز) بنی ہاشم اگر محتاج ہوں تو انھیں مدفون خزانہ اور معدنی اشیار کا پانچواں حصہ دینا جائز ہے (جوہرہ نیرہ)

اگر کسی شخص کا وکیل اپنے لڑکے کو بڑا ہو یا چھوٹا ہو یا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دے دے تو جائز ہے بشرطیکہ یہ محتاج ہوں، البتہ وکیل خود نہ رکھے (خلاصہ) اگر کسی کے مستحق زکوٰۃ ہونے میں شبہ ہو، یا ظن غالب ہے کہ وہ مستحق ہے اور اس کو زکوٰۃ دے دی، یا اس کو پوچھ کر اس نے زکوٰۃ دے دی یا اسے فقیروں میں کھڑا دیکھا اور زکوٰۃ دے دی، پھر بعد میں (یقینی طور پر) پتہ چلا کہ (واقعی) وہ مستحق تھا تو بالاجماع زکوٰۃ ادا ہو گئی، اسی طرح اگر حقیقتِ حال کچھ معلوم نہ ہو تب بھی جائز ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ مال دار، یا ہاشمی، یا کافر، یا ہاشمی کا غلام، یا باپ، یا بیٹا بیٹی، یا ماں یا بیوی، یا شوہر تھا تو جائز ہے، اور امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زکوٰۃ اس کے فرض سے ساقط ہو جائے گی اگر یہ پتہ چلا کہ وہ اس کا غلام یا مدبر، یا امّ ولد، یا مکاتب تھا تو جائز نہیں اور بالاجماع دوبارہ زکوٰۃ دے، اگر وہ اس کا ایسا غلام تھا کہ ایک حصہ آزاد ہو گیا، اور باقی حصے کی آزادی کے لئے وہ روپیہ کما رہا ہے تب بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک یہی حکم ہے (شرح طحاوی) اگر کسی شخص کے بارے میں مستحق زکوٰۃ ہونے نہ ہونے کا خیال کئے بغیر اسے زکوٰۃ دیدی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، البتہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ مستحق زکوٰۃ نہیں تھا تو جائز نہیں (زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی) زکوٰۃ دیتے وقت موجود شخص مشتبہ تھا، اس نے ظن غالب سے کام نہیں لیا، یا غور کیا مگر اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا معلوم نہ ہوسکا، یا غالب گمان یہ ہوا کہ وہ شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، لیکن مستحق زکوٰۃ ہونا معلوم ہوجائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، (تبیین)

زکوٰۃ کے مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن دوسری جگہ کے لوگ زیادہ ضرورت مند ہوں، یا اس زکوٰۃ دینے والے کے رشتہ دار ہوں تب انتقالِ زکوٰۃ مکروہ نہیں ہے، ان دونوں صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں منتقل کرنا مکروہ ہے اگرچہ زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، زکوٰۃ کو سال تمام ہونے کے بعد عین ادائیگی کے موقعہ پر منتقل کرنا مکروہ ہے۔ اس سے پہلے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں، زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور نذر کا مال دینے میں اولیٰ یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائی بہنوں کو مقدم کرے، پھر ان کی اولاد کو، اس کے بعد چچا اور پھوپی کو، پھر ان کی اولاد کو، اس کے بعد ماموں اور خالہ، پھر ان کی اولاد، ان کے بعد ذوی الارحام کو، آخر میں اپنے پڑوسیوں کو پھر اپنے ملازموں کو پھر اپنی بستی کے دوسرے لوگوں کو (سراج الوہاج) زکوٰۃ دینے میں اسی جگہ کا اعتبار ہے جہاں وہ مال موجود ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، مالک دوسرے مقام پر ہو اور مال دوسری جگہ ہو تو جس بستی میں مال ہے وہیں اسکی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے، صدقۃ الفطر میں صدقہ دینے والے کے اپنے مکان کا اعتبار ہوگا، صحیح قول کے مطابق اس کے چھوٹے بچوں اور غلاموں کے مکان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، (تبیین) اسی پر فتویٰ ہے (مضمرات)

ہمارے اس دور میں جو ظالم حکام، صدقات، عشر، خراج، محصول اور چنگی وصول کرتے ہیں، اصح قول یہ ہے کہ اس سے ان کی ادائیگی باقی نہیں رہتی بلکہ اس کے ذمے سے ساقط ہوجاتی ہے وہ یہ مال ادا کرنے کے وقت صدقہ کی نیت کریں (تاتارخانیہ)

بابِ الزکوٰۃ فصل (۸)

کسی فقیر کا قرض اس کی اجازت سے اپنی جانب سے بہ نیت زکوٰۃ ادا کردینا جائز ہے، اس کی اجازت کے بغیر ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اسکا قرض اسکے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، اگر زکوٰۃ کے عوض کسی شخص کو رہائشی مکان دیدیا تو یہ درست نہیں ہے (زاہدی) اپنے رشتہ دار اور بچوں کو یا کسی مژدہ سنانے والے کو یا نیا پھل لانے پر کسی کو (بصورت انعام و بخشش) کچھ دیا اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ صحیح ہے استاد مکتب میں اپنے کسی قائمقام کو بالمقطع کچھ دیدیتا ہے اور پہلے سے اسکا کوئی مشاہرہ طے نہیں ہوتا اس میں زکوٰۃ کی نیت اس وقت جائز ہوگی جبکہ وہ استاد کا نائب ہر حال میں بچوں کو تعلیم دے سکے، خواہ استاد اسے کچھ دے یا نہ دے ورنہ اس میں زکوٰۃ کی نیت جائز نہ ہوگی، اسی طرح عید تہوار اور خوشی کے موقعہ پر اپنے خادموں کو زکوٰۃ کی نیت سے کچھ دینے کا بھی یہی حکم ہے (معراج الدرایہ) جب زکوٰۃ کسی محتاج کو دی جائے تو اس وقت تک اس کی ادائیگی مکمل نہیں ہوتی جبتک وہ محتاج خود یا اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی اس طرح اس پر قبضہ نہ کرے جس طرح باپ اور وصی لڑکے کے یا پاگل آدمی کے مال پر قبضہ کرتے ہیں (خلاصہ) یا اس محتاج شخص کے عزیز قریب، یا غیر آدمی جو اس کا نگراں اور ذمہ دار ہو وہ قبضہ کرلیں، کسی کو اگر کوئی لڑکا کسی جگہ پڑا ہوا (بے وارث) ملے تو ایسے لڑکے کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو اس کی طرف سے وہ شخص زکوٰۃ پر قبضہ کرے جسے وہ لڑکا ملا تھا، اگر کسی نادان بچے کو یا پاگل شخص کو زکوٰۃ دی اور اس نے لیکر اپنے والدین کو یا اپنے وصی کو دیدی تو فقہاء کے نزدیک یہ جائز

نہیں، اگر کسی دوکان پر زکوٰۃ کا مال رکھ دیا اور اس پر کسی فقیر نے قبضہ کر لیا تو یہ جائز نہیں، اگر زکوٰۃ کا مال کسی ایسے بچے کے قبضہ میں دیا جو بالغ ہونے والا ہو، تو جائز ہے، اسی طرح اگر کسی ایسے لڑکے کو دیا جو قبضہ کرنے کا اہل ہو، کہ وہ مال کو ادھر ادھر نہیں ڈال دے گا اور نہ کوئی اسے بہلا پھسلا کر اس سے مال چھین سکتا ہے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ کا مال اسے دینا جائز ہے اس طرح اگر کسی بھولے بھالے، کم سمجھ فقیر کو زکوٰۃ دی تو بھی جائز ہے (قاضی خاں)

فصل

بیت المال کے مال کی چار قسمیں ہیں

(۱) چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کا مال، عشر اور عشر وصول کنندہ اپنے دفتر سے گذرنے والے مسلمانوں سے جو محصول وصول کرے اس تمام رقم کا مصرف ہم اوپر بیان کر چکے۔

(۲) مالِ غنیمت، دفینوں اور کانوں کی یافت کا پانچواں حصہ، اس آمدنی کا مصرف اس دور میں صرف تین طرح کے لوگ ہیں یتیم، مسکین اور مسافر بے وطن۔

(۳) خراج اور جزیہ کا مال، کپڑے کی وہ نوع جس پر بنو نجران سے مسلمانوں کی مصالحت ہوئی ہے اور وہ دوگنا صدقہ جو قبیلہ بنی تغلب سے لیا جاتا ہے اور وہ مال جو عشر وصول کرنے والا دار الاسلام میں اجازت لیکر آنے والے حربیوں سے اور جو ذمی تاجروں سے لیتا ہے (خراج اوطن) اس مال کا مصرف مجاہدین کی تیاری، ملکی سرحدوں کی حفاظت، چھاؤنیوں اور ان حفاظتی چوکیوں کی تعمیر ہے، جو شاہراہوں کو چوروں سے محفوظ رکھنے کیلئے بنائی جاتی ہیں، اور پلوں وغیرہ کی مرمت بھی اسی مال سے کی جاتی ہے (محیط سرخسی) بڑی نہروں کی تعمیر جو شخصی ملکیت نہ ہوں، جیسے جیحوں، فرات اور دجلہ (شرح طحاوی) مسافر خانوں، مسجدوں اور پانی کے بندوں کی تعمیر اور ان بندوں کی (مرمت و حفاظت، حکام، قاضی، مفتی اور محتسب کی تنخواہ بھی اسی میں سے دی جاتی ہے (محیط سرخسی)

(۴) وہ لاوارث مال جو کہیں پڑا ہوا مل جائے (محیط سرخسی) یا ایسی میت کا ترکہ جو لاوارث ہو یا صرف بیوی وارث ہو یا خاوند وارث ہو، ان کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہو اس مال کو ان مریضوں پر خرچ کیا جاتا ہے جو بے سہارا اور محتاج ہوں یا وہ لاوارث مردے جنھوں نے اپنے کفن دفن کیلئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو یا وہ بچے جو لاوارث پڑے ہوئے کہیں پائے جائیں، ان بچوں سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اس کا تاوان اس قسم کی مد سے ادا کیا جائے یا اس شخص کی ضروریات اس مد سے مہیا کی جائیں جو اپنی روزی آپ نہ کما سکتا ہو اور کوئی سہارا دینے والا شخص بھی موجود نہ ہو جس پر اسکے اخراجات واجب ہوتے ہیں، یہ مد اسی قسم کے مصارف کیلئے ہے (شرح طحاوی) اس لئے امام کیلئے لازم ہے کہ بیت المال چار طرح کے تعمیر کرے اور ہر بیت المال کی الگ الگ عمارت ہو کیونکہ ہر ایک مد کی آمدنی کے مصارف دوسری مد کے مصارف سے مختلف ہیں، دوسری مد کا مال اس میں شریک نہیں کیا جا سکتا، البتہ کسی مد کی آمدنی بالکل نہ ہو تو امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ دوسری مدات میں سے قرض لیکر اس مد کے مصارف پورے کرے، چنانچہ صدقات کی مد سے اگر خراجی مصارف کے لئے قرض لیا ہے تو خراج کی وصولیابی کے بعد وہ قرض صدقے کی مد کو لوٹا دیا جائے، البتہ یہ قرض لیا ہوا مال اگر ایسے محتاج لوگوں پر خرچ کیا ہے جو مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں تو پھر قرض کی ادائیگی کی ضرورت نہیں کیونکہ ان مجاہدین کا تو صدقے کی آمدنی میں بھی حق ہے، اسلئے وہ قرض، قرض شمار نہ ہوگا، اگر خراجی مد سے صدقات کے مصارف کے لئے قرض لیا ہے اور محتاجوں پر وہ رقم خرچ کی ہے تب بھی وہ قرض، قرض نہ رہے گا اس لئے کہ خراج اس مال کی حیثیت رکھتا ہے جو دشمنانِ اسلام سے مصالحت کے طور پر یا غنیمت کی شکل میں وصول ہوتا ہے اور اس کا

فقراء کا بھی حق ہے۔ لیکن عام طور پر اس خراجی آمدنی میں فقراء کا حصہ اسلئے نہیں لگایا جاتا کہ صدقات کی آمدنی ان کے لئے کافی ہو جاتی ہے (محیط سرخسی) امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ اہل حق کے حقوق پورے پورے ادا کردے اور آمدنی پر ان کا جو حق شرعاً واجب ہوتا ہے اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ امام یعنی سربراہ ریاست کو اور اس کے عملے کے لوگوں کو اس آمدنی میں سے اتنا ہی لینے کی اجازت ہے جو ان کی ذات کے اور ان کے گھر والوں کے اخراجات کے واسطے کافی (اور مناسب ہو) اس مال کو تجوریوں میں یا زمین میں دفن کرکے نہ رکھیں۔ جو مال بچ جائے اسے مسلمانوں میں تقسیم کردے۔ اگر حاکم وقت اس میں کوتاہی کرے گا تو اس کی گردن پر (قیامت میں) بار رہیگا۔ امام وقت کو اور صدقہ وصول کرنے والے کیلئے افضل یہ ہے کہ آئندہ ماہ کا مشاہرہ پیشگی نہ وصول کرے۔ ہاں جو مہینہ چالو ہے اس کی تنخواہ لے سکتا ہے (سراج الوہاج)

بیت المال میں ذمیوں کا کوئی حق نہیں لیکن امام کسی ذمی کو بھوکا مرتے دیکھے تو اسے چاہئے کہ بیت المال سے اس ذمی کو کچھ دے، کیوں کہ وہ دارالاسلام کا باشندہ ہے۔ امام اس کی زندگی کی بقاء و حفاظت کا ضامن ہے (محیط سرخسی) کسی شخص کو ایسا مال ہاتھ آئے جو دراصل بیت المال میں داخل ہونا چاہیئے تھا اور اتفاق سے یہ شخص بیت المال سے اپنا حق وصول نہیں کرسکا تھا تو اسے اختیار ہے کہ اس میں سے دیانت کے ساتھ اپنا حق رکھ لے۔ البتہ امام کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو اسے سارا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دے اور چاہے تو اپنا حق وصول کرنے کی اجازت دے سکتا ہے (قنیہ)

باب (۸)

صدقۃ الفطر کی تفصیلات

جو آزاد مسلمان مالِ نصاب کا مالک ہو اور وہ اس کی ضروریات سے زائد ہو۔ اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے (اختیار شرح مختار) اس نصاب کیلئے یہ شرط نہیں کہ وہ بڑھنے والا مال ہو۔ ایسے ہی نصاب پر قربانی اور اعزہ کا نفقہ واجب ہے (قاضی خاں) یہ بھی ضروری نہیں کہ اس نصاب پر سال بھر گذر گیا ہو) صدقہ فطر چار طرح کی چیزوں سے ادا کیا جاسکتا ہے، گیہوں، جو، چھوہارے، کشمش (خزانۃ المفتین) (شرح طحاوی) گیہوں کے اندر نصف صاع واجب ہے جو اور چھوہارے میں ایک صاع۔ ان میں سے ہر ایک کا آٹا اصل غلے ہی کے حکم میں ہے۔ البتہ صدقۃ الفطر میں روٹی دینا جائز نہیں۔ البتہ قیمت لگاکر اس کے لحاظ سے روٹی دی جاسکتی ہے یہی سب سے صحیح قول ہے۔ جامع صغیر میں یہ صراحت ہے کہ امام اعظم کے نزدیک کشمش نصف صاع دی جائے کیوں کہ وہ پوری کی پوری کھائی جاتی ہے اور امام صاحب سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ کشمش ایک صاع دے۔ یہی صاحبین کا مسلک ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقۃ الفطر کے ادا کرنے میں ایسی چیز کا لحاظ کیا جائے جس میں سے صدقہ دیا جارہا ہے اور زیادہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے (محیط سرخسی) آٹا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت گیہوں دینے کے، اور آٹے کے مقابلے میں نقد رقم دینا افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقد رقم سے فقراء اپنی مختلف النوع ضروریات کی تکمیل کرسکتے ہیں۔ ان چار چیزوں کے علاوہ کسی اور غلے سے صدقۃ الفطر ادا کرنا صحیح نہیں، ہاں قیمت کا لحاظ کرکے صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ اصل شے کو صدقہ میں دینا نص سے ثابت ہے عین شے کے مقابلے میں قیمت دینا بہتر ہے۔ اسی پر فتوی ہے (جوہرۂ نیرہ) اگر اچھے قسم کا گیہوں نصف صاع دینے کے بجائے چوتھائی صاع دیا جس کی قیمت دوسرے عام گیہوں کے برابر ہو یا ایک صاع جو دینے کے بجائے نصف صاع عمدہ قسم کے جو دیدے

تو پورا صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا (آدھا ہوگا) جتنی مقدار دی ہے اتنا ہی صدقہ ادا ہوگا اور باقی واجب الادا رہے گا۔ ایک صاع جو کے عوض چوتھائی گیہوں دینا جائز نہیں (محیط سرخسی) اگر نصف صاع جو اور نصف صاع چھوہارے اور ایک من (شرعی وزن کے اعتبار سے) گیہوں، یا نصف صاع جو اور چوتھائی گیہوں دے تو احناف کے نزدیک جائز ہے (بحر الرائق) ایک صاع آٹھ رطل بغدادی کے برابر ہوتا ہے اور بغدادی رطل بیس استار کا ہوتا ہے (تبیین) استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے[1] (شرح وقایہ) وزن کے لحاظ سے گیہوں نصف صاع اور دوسری چیزیں ایک صاع ہوں گی جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم کا ایک قول نقل کیا ہے، کیوں کہ علماء کا صاع کی تعیین میں اختلاف ہی علماء کے اس اجماع کو ثابت کر رہا ہے کہ اس میں وزن کا اعتبار ہے (تبیین)

صدقۃ الفطر یکم شوال کو عید کے دن صبح صادق کے ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے، صبح صادق سے پہلے کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کا صدقہ واجب نہیں ہوتا جو شخص اس وقت سے پہلے مسلمان ہوا یا پیدا ہوا اس پر واجب ہے اسکے بعد پیدا ہونے والے اور مسلمان ہونے والے کے ذمے یہ صدقہ واجب نہیں ہوگا، اگر کوئی محتاج یوم عید سے پہلے مالدار ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے، اگر مالدار شخص اس وقت سے پہلے فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ واجب نہیں (محیط سرخسی) جو شخص طلوع فجر کے بعد مرے اس پر صدقہ واجب ہے، اسی طرح جو شخص یوم عید کے بعد محتاج ہو جائے اس پر بھی صدقہ واجب ہے (جوہرۃ نیرہ) اگر عید الفطر سے پہلے صدقہ دیدیا جائز ہے اور کسی مدت کی اس میں تصریح نہیں، یہ صحیح ہے، اگر عید کا دن گذر گیا اور صدقہ نہیں دیا تو صدقہ بدستور واجب رہے گا (ھدایہ) اگر مالک نصاب ہونے سے پیشتر صدقہ دے دیا اور بعد میں نصاب کا مالک ہو گیا تو یہ درست ہے (بحر الرائق) جس شخص نے ماہ رمضان کے پورے روزے کسی عذر بڑھاپا یا بیماری کی وجہ سے نہیں رکھے تو صدقہ فطر اسے بھی دینا پڑیگا، وہ اس کے ذمے سے ساقط نہ ہوگا (تجنیس الملتقط) حضرات! عید کے دن نماز عید کو نکلنے سے پہلے صدقہ دینا مستحب ہے۔ (جوہرۃ النیرہ) صدقۃ الفطر عام مشائخ فقہاء کے نزدیک عمر بھر میں کسی وقت بھی ادا کر سکتا ہے (بدائع) صدقہ فطر اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے ادا کرنا واجب ہے (کافی) کم عقل اور پاگل آدمی چھوٹے بچے کی حیثیت رکھتے ہیں، خواہ اس کا پاگل پن اصلی (اور دائمی) ہو یا عارضی ہو ظاہر مذہب یہی ہے (محیط) اگر کسی پاگل آدمی یا چھوٹے بچے کے پاس (بقدر نصاب یا نصاب سے زائد) کچھ مال ہو تو اس کے باپ یا اسکے وصی یا دادا یا اسکے وصی کے ذمے ان کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے اور ان کے غلاموں کا صدقہ فطر ان کے سرمائے میں سے ادا کرنا چاہیئے امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کا قول یہی ہے، البتہ جو بچہ ابھی حمل میں ہے اور پیدا نہیں ہوا اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے کیوں کہ اس کی زندگی کے بارے میں کوئی یقین نہیں ہے (سراج الوہاج) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر کسی شخص کا بیٹا یا پوتا مفلس موجود ہے تو اس کی اولاد کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا اسکے ذمے واجب نہیں ہے، اسی طرح اپنے نابالغ بچے یا کم عقل لڑکے کے غلاموں کی طرف سے ادا کرنا واجب نہیں ہے، اور ظاہر روایت کے بموجب اگر اسکا مفلس بیٹا (یا پوتا) مر چکا ہے تب بھی یہی مسئلہ ہے (قاضی خان) کسی بچے کے بارے میں بیک وقت دو شخص بیک وقت اسکے باپ ہونے کا دعویٰ کریں تو ان میں سے ہر ایک پر اس کا پورا صدقۃ الفطر واجب ہے[2] (ظہیریہ) اگر ان میں سے ہر ایک صاحب سرمایہ ہو اور دوسرا غریب ہو یا

---

[1] مثقال کا ہندی وزن ساڑھے چار ماشہ کے مساوی ہوتا ہے، اسی لحاظ سے ایک ستار ایک تولہ ۸ ماشہ ۲ رتی کے برابر ہوا، اور ایک رطل ۳۳ تولہ ۹ ماشہ ہوتا ہے تو ایک صاع ۸ رطل کے برابر ہوا جسکے دو سو ستر تولہ بنتے ہیں۔ [2] یعنی ایک باندی جو دو آدمیوں کی مشترک ملک ہو اسکے بچے پر دونوں دعویٰ کریں کہ وہ ان کے نطفے سے ہے، اس صورت میں دونوں سے نسب چلے گا اور دونوں اس کے باپ قرار دیے جائیں گے۔ ۱۲

مرگیا ہو تو دوسرے پر اس بچہ کا پورا صدقہ واجب ہوگا، البتہ اس بچے کی ماں کا صدقۃ الفطر ان دو شخصوں میں سے کسی کے ذمے لازم نہیں ہے (خلاصہ) ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر کے اس کے شوہر کے حوالے کر دیا تو اب جو عید آئے گی اس میں اس لڑکی کا صدقۃ الفطر باپ کے ذمے واجب نہیں ہے (تاتارخانیہ) جو غلام آدمی کی اپنی خدمت کے لئے ہوں ان کا صدقۃ الفطر اس کے ذمے واجب ہے، وہ غلام چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، احناف کے نزدیک اپنی مدبرہ باندی اور ام ولد کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرنا لازم ہے کرائے پر دئے ہوئے غلام کا اور اس غلام کا جس کو تجارتی کاروبار کی اجازت دے رکھی ہو صدقۃ الفطر مالک کے ذمے ہے خواہ غلام قرضے میں مستغرق ہو[1]، اگر کسی مرنے والے نے یہ وصیت کی کہ اس کا غلام فلاں شخص کی خدمت میں مصروف رہے تو اس کا صدقۂ فطر اس کے مالک پر واجب ہے، ایسے ہی جو غلام کسی سے مانگ رکھا ہو، یا آدمی کے پاس امانت کی حیثیت سے ہو اور وہ غلام جس نے جان بوجھ کر یا خطاءً کسی کا کوئی جرم کیا ہو، اس کا صدقہ بھی اسی شخص کے ذمے ہے جس کے پاس وہ ہے، کیوں کہ مالک کی ملکیت اس وقت باقی نہیں رہی جب وہ غلام کو اس شخص کے سپرد کر دے جس کا اس غلام نے جرم کیا ہے اس سے پہلے غلام کی ملکیت اس شخص سے ختم نہ ہوگی (قاضی خاں) رہن شدہ غلام کی قیمت اتنی ہو کہ قرض کے بعد وہ بقدر نصاب زائد ہوتی ہو تو اس کی طرف سے صدقۃ الفطر بھی دینا ہوگا اور اس کی وجہ سے اپنی طرف سے بھی اس کا صدقہ دینا پڑیگا (تبیین) تجارتی غلاموں کا صدقہ احناف کے نزدیک واجب نہیں، اجازت یافتہ غلام کے غلاموں کا صدقہ بھی آدمی کے ذمے واجب نہیں (قاضیخاں) مکاتب کی طرف سے صدقۃ الفطر نہیں دینا چاہیئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غلام کی ملکیت پوری نہیں اور خود یہ مکاتب غلام بھی اپنا صدقۃ الفطر نہ دے کیونکہ وہ تو محتاج ہے، اپنے مکاتب کے غلام کا صدقۃ الفطر بھی مالک کے ذمے نہیں ہے اور نہ مکاتب کے ذمہ ہے۔ جو غلام جزوی طور پر آزاد ہو، امام اعظم کے نزدیک وہ مکاتب ہی کے حکم میں ہے، مالک پر اس کا صدقۃ الفطر لازم نہیں، صاحبین کے نزدیک اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی آزاد شخص جو مقروض ہو اس پر مالدار ہونے کی صورت میں صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں (سراج الوہاج) اگر مکاتب حق مکاتبت ادا کرنے سے عاجز ہو اور پھر غلامی اختیار کرے تو مالک پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں اور اگر وہ خدمتی غلام تھا تو صدقۂ فطر واجب ہوگا (فتاویٰ قاضی خاں) اگر ایک غلام یا بہت سے غلام دو شخصوں میں مشترک ہوں تو ان کی جانب سے صدقۂ فطر واجب نہیں، اگر کسی کا غلام بھاگ جائے، یا کفار کی قید میں ہو یا کوئی غصب کرلے اور دینے سے انکار کرے تو اس صورت میں مالک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں اور نہ ان غلاموں پر خود اپنا صدقۃ الفطر دینا واجب ہے (تبیین) اگر فرار شدہ غلام واپس آجائے یا غصب شدہ غلام واپس مل جائے اور عید کا دن گذر گیا ہو تو اس کی جانب سے صدقۂ فطر اس عید کا واجب ہے (قاضی خاں) اگر بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لئے شرط خیار[2] کے ساتھ کوئی غلام خریدا، یا کسی تیسرے شخص کیلئے شرط خیار کی اور خیار کی اسی مدت میں عید گذر گئی تو اس کا صدقۃ الفطر موقوف رہے گا، یعنی اگر معاملہ پورا ہو گیا تو خریدار پر صدقہ واجب ہے اور اگر معاملہ ٹوٹ گیا تو اس غلام کا صدقہ بیچنے والے کے ذمے ہے، لیکن اگر خریدار نے غلام پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اسے لوٹایا تو اس صورت میں خریدار پر صدقہ واجب ہے (خزانۃ المفتین) اگر بالکل پختہ معاملہ کر کے غلام کو خریدلیا مگر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے عید کا دن گذر گیا،

---

[1] یعنی غلام کی قیمت کے برابر اس غلام کے سلسلے میں مالک نے قرض لے رکھا ہو [2] شرط خیار کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ دو شخصوں نے خرید فروخت کا کوئی معاملہ اس شرط کے ساتھ کیا کہ دو روز یا تین روز کے عرصہ میں اگر خریدار چیز کو واپس کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اسی طرح بیچنے والا اگر چاہے تو متعینہ عرصہ کے اندر اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ ۱۲

پھر خریدار نے اس پر قبضہ کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے، اور اگر قبضہ سے پہلے غلام مرگیا تو بیچنے اور خریدنے والوں میں سے کسی پر صدقہ واجب نہ ہوگا، (سراج الوہاج) اگر غلام کی بیع فاسد ہوئی اور خریدار نے عید گذرنے کے بعد اس پر قبضہ کیا اور قبضہ کرکے اسے آزاد کر دیا تو اس غلام کا صدقۃ الفطر بیچنے والے پر واجب ہوگا، اگر عید سے پہلے خریدار نے قبضہ کرلیا اور عید کے بعد اس نے اسے آزاد کر دیا، یا پھر اسے اصل مالک نے واپس لے لیا، اس صورت میں خریدار کے ذمے غلام کا صدقۃ الفطر ہے (قاضی خاں)، صدقہ کرنے کی غرض سے غلام خریدا تو اس کا صدقۃ الفطر واجب ہے (تاتارخانیہ) بیوی کے مہر میں کسی غلام کو دیدیا تو اس میں کچھ تفصیل ہے، اگر خاص طور پر وہی غلام مہر میں دیا ہے تو بیوی پر اس کا صدقۃ الفطر واجب ہے خواہ اس نے غلام کو اپنے قبضہ میں لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیوں کہ وہ غلام نکاح کرتے ہی بیوی کی ملک میں چلا گیا، اگر صحبت سے قبل بیوی کو طلاق دیدی پھر عید آئی، اور غلام پر عورت نے قبضہ نہیں کیا تو اب کسی ایک پر اسکا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے، اور اگر عورت نے قبضہ کرلیا تھا تب بھی اصح قول کے مطابق یہی حکم رہے گا (خزانۃ المفتیین) اگر مہر میں وہ غلام متعین نہیں تھا تب بھی یہی حکم ہے (تاتارخانیہ) اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے یہ کہا کہ تو عید الفطر کے دن آزاد ہے تو اسکے قول کے مطابق جب عید کا دن آئیگا وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اسکے آزاد ہونے سے قبل مالک پر اس کی طرف سے صدقۃ الفطر بلا فصل واجب ہے (جوہرہ نیرہ، قاضیخاں) اپنی بیوی اور بڑی اولاد کا صدقۃ الفطر مرد کے ذمے نہیں ہے، اگرچہ ان کے اخراجات وہی اٹھاتا ہو، اگر ان کی جانب سے ان کی خواہش کے بغیر صدقۃ الفطر ادا کر دیا تو استحساناً صدقہ ادا ہو جائے گا (ہدایہ) اسی پر فتویٰ ہے (قاضی خاں) پھر جن لوگوں کی پرورش اور نان نفقہ کا آدمی ذمے دار نہ ہو ان کا صدقۃ الفطر اسے نہیں دینا چاہیئے، لیکن اگر وہ کہیں تو دے سکتا ہے (محیط) دادا، دادی اور جن لوگوں کا خرچ آدمی اخلاقاً (یا مروتاً) برداشت کرتا ہو، ان کا صدقۃ الفطر اس کے ذمے نہیں ہے (تبیین) ماں باپ کا صدقہ بھی بیٹے کے ذمے واجب نہیں چاہے ان کا خرچہ وہی اٹھاتا ہو، کیوں کہ اس کو ماں باپ پر ولایت حاصل نہیں جس طرح بڑی اولاد کا صدقہ باپ کے ذمہ نہیں ہے (جوہرہ نیرہ) کوئی شخص چھوٹے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کے اخراجات اٹھاتا ہو تو اسکے ذمہ ان کا صدقۃ الفطر واجب نہیں (قاضیخاں) صدقۃ الفطر کے وجوب کے سلسلے میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ صدقہ کا وجوب ولایت اور ذمے داری سے وابستہ ہے، جس کی ولایت اور نفقہ آدمی کے ذمے ہو، اس کی طرف سے صدقۃ الفطر بھی اس پر واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں (شرح طحاوی) ہر ایک کا صدقہ فطر ایک مسکین شخص کو دینا واجب ہے، دو آدمیوں کو یا زیادہ کو دینا جائز نہیں، ایک پوری جماعت کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دیا جا سکتا ہے، (تبیین) اگر کسی کے ذمے زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا نذر، اور کفارہ وغیرہ واجب تھا اور اس کا انتقال ہو گیا تو احناف کے نزدیک اس کی میراث میں سے زکوٰۃ وغیرہ وصول نہیں کی جائیگی، ہاں اسکے وارث اگر بطور احسان اور ثواب کی خاطر یہ واجبہ صدقات ادا کر دیں، تو ایسا جائز ہے لیکن دینے کیلئے انھیں مجبور نہیں کیا جا سکتا، کسی شخص نے یہ وصیت کر دی کہ اس کی واجب شدہ زکوٰۃ یا دوسرے واجبہ صدقات اسکے ترکے میں سے ادا کئے جائیں، تو یہ جائز ہے اور اسکی وصیت اسکے تہائی مال میں سے پوری کی جائیگی (جوہرۃ النیرۃ) اگر کسی عورت سے خاوند نے صدقہ فطر دینے کیلئے کہا اور اس نے شوہر کے صدقہ کے گیہوں اپنے صدقے کے گیہوں میں ملا کر کسی محتاج کو دیدئے اور خاوند سے اجازت نہیں لی تو امام اعظم کے نزدیک عورت کا صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا خاوند کا نہ ہوگا (ظہیریہ) ایک شخص نے اپنی بیوی اور بال بچوں کی طرف سے صدقۃ الفطر کے گیہوں پیمانے سے ناپ ناپ کر نکالے اور ان سب کو اکٹھا کر کے سب کی نیت کر کے مستحقین کو دیدیا تو سب کا صدقہ ادا ہو جائیگا، صدقۃ الفطر کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف گذر چکا (خلاصہ)

تم کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصوم!

روزہ کے مسائل

یہ سات ابواب پر مشتمل ہیں

باب اوّل

اس باب میں روزہ کی تعریف، اس کی تقسیم اور انواع، اس کے اسباب، اوقات اور شرائط بیان کئے گئے ہیں

روزہ کسے کہتے ہیں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی اختلاط سے پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے بشرطیکہ جو شخص روزہ رکھنے کا اہل ہے وہ عبادت اور ثواب (اور دینی حکم) سمجھتے ہوئے روزہ رکھے (الکافی)

روزے کی نوعیتیں روزے کی تین[1] قسمیں ہیں، فرض، واجب، نفل، پھر فرض کی دو قسمیں ہیں، فرض معین جیسے رمضان کے روزے اور فرض غیر معین جیسے کفارے کے روزے اور رمضان کے قضا روزے، اسی طرح واجب کی بھی دو قسمیں ہیں، واجب معین جیسے نذر کے روزے اور واجب غیر معین جیسے مطلق نذر کے روزے۔ اور نفلی روزے سب کے سب ایک ہی قسم میں داخل ہیں (التبیین)

روزے کے اسباب اور وجوہ یہ متعدد ہیں، نذر کے اور کفارے کے روزے ہیں اس کا سبب قسم اور جرم قتل ہے اور سبب قضا بھی ہے جو وجوب کا سبب[1] تھا (فتح القدیر) ماہ رمضان کے روزوں کا سبب ابوزید فخر الاسلام اور صدر الاسلام کے نزدیک ہر دن کا وہ پہلا جزء ہے جس کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا (الکشف الکبیر) غایۃ البیان میں ہے، کہ میرے نزدیک یہی حق ہے اور امام الہندیؒ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے (النہر الفائق)

اگر رمضان کی پہلی شب میں تندرست ہے اور صبح کے وقت جنون کا دورہ پڑ گیا اور پورے مہینے جنون کی حالت طاری رہی تو اسکے ذمے ان روزوں کی قضا نہیں ہے جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے (البحر الرائق) اور اسی پر فتویٰ ہے (معراج الدرایہ)

---

[1] یعنی جس بنا پر اصلاً اور ابتداءً یہ روزے واجب تھے ان کی قضا کے واجب ہونے کا بھی وہی سبب ہے۔

اسی طرح اگر رمضان کی درمیانی شب میں تندرست تھا اور صبح کو پاگل ہو گیا تو اس پر بھی ان روزوں کی قضا نہیں ہے (المحیط، البحر الرائق) اور صحت سے ایسی صحت مراد ہے جس میں پاگل پن بالکل دور ہو جائے، اگر کچھ نہ کچھ مرض کا اثر اس کی باتوں اور بول چال میں باقی رہا تو اسے افاقہ اور صحت نہیں کہیں گے (زاہدی)

روزے کا وقت

فجر ثانی کے طلوع سے شروع ہوتا ہے، فجر ثانی سے مراد افقِ مشرق میں روشنی پھیل جانا ہے اور غروب آفتاب پر روزے کا وقت پورا ہو جاتا ہے، اختلاف اس بات میں ہے کہ صرف طلوعِ فجر کا اعتبار ہے یا اسکے پھیلنے اور پھوٹنے کے بعد تک روزے کا وقت ہے۔ شمس الائمہ طوائی کے نزدیک پہلا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے اور دوسرا قول گنجائش و وسعت کا پہلو رکھتا ہے (المحیط) اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں (خزانۃ الفتاوی کتاب الصلوۃ) اگر اس خیال سے سحری کھالی کہ ابھی رات ہے اور فی الواقع سحر ہو چکی تھی یا غروب شمس کے خیال سے افطار کر لیا حالانکہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو اس روزے کی قضا کرے گا کفارہ نہیں دیگا، کیونکہ اس نے جان بوجھ کر پیشگی افطار نہیں کیا (المحیط السرخسی) اگر طلوع فجر میں کچھ شبہ ہے تو افضل یہ ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دے لیکن اگر اس وقت کھالیا تو اسکا روزہ ہو گیا جب تک اس بات کا یقینی طور پر پتہ نہ چل جائے کہ اس نے طلوع فجر کے بعد کھایا ہے اور اس صورت میں اس روزے کی قضا کرے (فتح القدیر) اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ صبح ہونے کے بعد اس نے سحری کھائی ہے تو اس روزہ کی قضا واجب ہے اور سکے ظنِ غالب کے مطابق، اسی میں احتیاط ہے، ہاں ظاہر روایت کے مطابق اس پر قضا واجب نہیں (ہدایہ) اور یہی صحیح ہے (سراج الوہاج) یہ اس صورت میں ہے جبکہ صبح کا ہونا یا نہ ہونا واضح اور ظاہر نہ ہو اگر یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہو گئی کہ طلوع فجر کے بعد سحری کھائی ہے تو اس پر قضا واجب ہو گی کفارہ نہ ہو گا (التبیین)

اگر دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی اور دو طلوع فجر کی گواہی دیں، پھر یہ بات کھلی گئی کہ طلوع فجر ہو چکی تھی، تو اب اس شخص پر سب کے نزدیک قضا بھی واجب ہو گی اور کفارہ بھی، اور اثبات کی گواہی قبول کی جائے گی اور انکار کی گواہی جب اس کے خلاف واقع ہو تو وہ معارض قرار پا کر اثبات کی شہادت کو رد نہیں کر سکتی جیسا کہ حقوق العباد میں قاعدہ ہے [1]

اگر ایک شخص نے طلوع فجر کی گواہی دی اور دوسرے نے طلوع فجر کے نہ ہونے کی، پھر اس نے سحری کھائی، اس کے بعد پتہ چلا کہ واقعۃً صبح ہو چکی تھی تو اب اس پر کفارہ واجب ہو گا کیوں کہ طلوع فجر میں ایک آدمی کی شہادت کے بارے میں پوری حجت نہیں ہے (فتاوی قاضی خاں) اگر سحری کھاتے وقت کچھ لوگ اس کے پاس پہنچے اور انھوں نے طلوع فجر کی گواہی دی تو اس شخص نے کہا، اب تو میں روزہ دار ہی نہیں رہا اور میرا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر کھانے لگا، اس کے بعد حقیقت حال ظاہر ہوئی کہ اس نے پہلے جو کھانا کھایا تھا وہ طلوع فجر سے قبل کھایا تھا اور دوسری بار فجر ہونے کے بعد کھایا (اس کے متعلق) حاکم ابو محمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ (گواہی دینے والے) ایک جماعت تھی اور اس نے ان کی تصدیق کی تو اس پر کفارہ واجب ہو گا اور اگر طلوع فجر کی گواہی دینے والا ایک آدمی تھا خواہ وہ عادل ہو یا نہ ہو تو اب اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ ایسی صورتوں میں ایک شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاتی (خلاصہ) اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا، ذرا دیکھنا صبح ہوئی کہ نہیں؟ وہ دیکھنے کے بعد لوٹی اور بولی کہ ابھی صبح نہیں ہوئی تب اس کے خاوند نے اس سے صحبت کی، پھر پتہ چلا کہ فجر ہو چکی تھی، بعض کے نزدیک اگر وہ عورت ثقہ تھی اور مرد نے اس کی تصدیق کی تو اب اس پر کفارہ نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ مرد پر کسی حال میں کفارہ نہیں، عورت پر کفارہ ہو گا اگر طلوع فجر کا علم ہونے کے باوجود اس نے روزہ توڑا ہے (قاضی خاں، خلاصہ) اگر سورج کے غروب ہونے میں شبہ ہے تو افطار جائز نہیں (الکافی)

---

[1] یعنی کچھ گواہ طلوع فجر کے ہوں اور کچھ گواہ یہ گواہی دیں کہ فجر طلوع نہیں ہوئی تو اس صورت میں فجر نہ ہونے کی گواہی معتبر نہ ہو گی۔

اگر اس نے کھا لیا اور اسے غروب نجر کا ٹھیک پتہ نہ چلا تو روزے کی قضا واجب ہے ، کفارہ ایک روایت کے مطابق ہے ، دوسری روایت کے مطابق کفارہ نہیں ہے (التبیین) فقیہ ابو جعفر کے نزدیک وجوبِ کفارہ کا قول پسندیدہ ہے (فتح القدیر) اگر یہ بات محقق ہو جائے کہ واقعی اس نے غروب آفتاب سے پہلے افطار کر لیا ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے (التبیین) اگر اس نے اس ظن غالب کے ساتھ افطار کر لیا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی ، کیوں کہ ابھی دن کا باقی رہنا ثابت ہے اور اسی کے ساتھ اس کا غالب گمان بھی یہ ہے تو گویا یقینی طور پر دن کا ہونا معلوم ہو گیا (قاضی خاں) خواہ یہ بات ظاہر ہو یا نہ ہو کہ اس نے غروب سے پہلے افطار کیا ہے یا نہیں (التبیین) اگر دو آدمی یہ گواہی دیں کہ سورج چھپ گیا اور دوسرا یہ کہے کہ ابھی سورج نہیں چھپا پھر اس نے افطار کر لیا اور بعد میں پتہ چلا کہ اس وقت سورج واقعتاً نہیں چھپا تھا تو اب اس پر سب کے نزدیک قضا واجب ہے کفارہ نہیں (قاضی خاں) اگر اندازے سے سحر کھانے کا ارادہ کیا تو اس کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ خود یا کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے طلوع فجر کو معلوم نہیں کر سکتا ، شمس الائمہ حلوانی نے بیان کیا ہے کہ جو شخص اپنے غالب گمان کے تحت سحری کھا لے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے جبکہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن پر طلوع سحر کا حال چھپا نہیں رہ سکتا اور اگر ان میں سے ہے جن کو صبح کے ہونے کی خبر نہیں ہو سکتی تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھانا ترک کر دے ، اور اگر سحری کے نقارے کی آواز پر سحر کھانے کا ارادہ کیا ہے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ نقارہ کی آواز ہر طرف پہنچتی ہے ، البتہ اگر نقارے کی ایک ہی صدا سنی اور نقارچی کے عادل ہونے کا اسے علم ہے تو اس آواز پر بھروسہ کر کے سحر کھا لے اور اگر اس کا حال اسے معلوم نہیں تو احتیاط کرے اور سحر نہ کھائے ، اگر مرغ کی بانگ کا اعتبار کر کے کھانا کھا لیا تو بعض مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے (اور اسے ناجائز قرار دیا ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے جبکہ اس نے متعدد بار مرغ کا تجربہ کیا ہو کہ وہ ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے ، شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب ظاہر روایت میں یہ ہے کہ اندازہ سے افطار کرنا جائز ہے (المحیط)

روزے کی شرائط شرط وجوب اسلام ، ہوش اور بلوغ ہے ، وجوبِ ادا کی شرط تندرستی اور قیام ہے[1] ، صحتِ ادا کی شرط نیت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا ہے (الکافی ، نہایہ) اور نیت یہ ہے کہ اس کا قلب یہ جانتا ہو کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے (خلاصہ ، محیط سرخسی) اور سنت یہ ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرے (النہر الفائق) پھر احناف کے نزدیک رمضان میں ہر روز نیت ضروری ہے (قاضی خاں) اور سحری کھانا رمضان میں نیت (کی علامت) ہے جیسا کہ نجم الدین نسفی نے ذکر کیا ہے ، ایسے ہی کسی اور روزے کیلئے رمضان کے علاوہ سحری کھانا (نیت کی علامت ہے) اگر سحری کھائی اور ارادہ یہ کیا کہ صبح کو روزہ نہیں رکھیگا تو روزہ کی نیت نہیں ہوگی ، اگر رات سے روزے کی نیت کی پھر طلوع فجر سے پہلے پہلے اپنی یہ نیت ختم کر دی تو سب (فرضی و نفلی) روزوں میں اس کا اعتبار ہوگا (سراج وہاج) اگر یہ کہا کہ ان شاء اللہ میں کل روزہ رکھوں گا تو نیت صحیح ہو جائیگی یہی صحیح ہے (ظہیریہ) اور اگر یہ نیت کی کل کسی دعوت میں مجھے بلایا جائیگا تو روزہ نہیں رکھونگا ورنہ روزہ رکھونگا تو اس طرح کی نیت سے وہ روزہ دار نہیں ہوگا ، اگر رمضان میں صبح کے وقت نہ تو روزے کی نیت کی ، اور نہ

---

[1] یعنی صحت اس قابل ہو کہ روزہ رکھ سکتا ہو اور مسافر نہ ہو اس وقت روزہ رکھنا واجب ہے اور شرط وجوب اور شرط ادا میں فرق یہ ہے کہ وجوب کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر بالغ صحیح الحواس مسلمان پر روزہ واجب ہے ، اس وقت رکھنا کس وقت واجب ہے اس وقت جب آدمی صحت مند ہو اور مقیم ہو ، شرعی نقطہ نظر سے مسافر نہ ہو ، اگر اتفاقاً رمضان میں سفر درپیش ہے یا بیمار ہو گیا یا عورت حائضہ ہے یا زچگی میں ہے تو اس وقت رمضان ہونے کے باوجود روزہ رکھنا واجب نہ ہوگا ، ۱۲

دن میں کچھ کھایا پیا جبکہ اسے یہ علم ہے کہ رمضان کا مہینہ ہے (اس ذیل میں) شمس الائمہ حلوانی نے فقیہ ابوجعفر کے واسطے سے ہمارے اصحاب کی دو روایتیں اس کے روزہ دار ہونے کے بارے میں نقل کی ہیں، زیادہ ظاہر یہی قول ہے کہ وہ روزہ دار نہیں سمجھا جائیگا (المحیط) اگر روزہ دار نے روزہ توڑنے کی نیت کی لیکن نیت کے علاوہ (روزہ توڑنے کیلئے) کھایا پیا نہیں تو اس کا روزہ پورا ہو جائے گا (ایضاح الکرمانی)

اور نیت کے وقت (اگلے دن کے روزہ کے لئے) سورج ڈوبنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے، غروب آفتاب سے پہلے نیت درست نہیں (محیط سرخسی) اگر غروب آفتاب سے قبل کل کے روزے کی نیت کی پھر سو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا غافل ہو گیا حتی کہ اگلے دن کا سورج بھی ڈوب گیا تو یہ جائز نہیں [1]، اور اگر غروب آفتاب کے بعد نیت کی تو جائز ہے [2]، (خلاصہ)

رمضان کے، نذر معین کے، اور نفلی روزے کیلئے اسی دن کے روزے کی نیت کر لینا صحیح ہے، مطلق روزے کی نیت کر لینا بھی جائز ہے۔ نفل روزے کی نیت رات سے لیکر اگلے دن تک دوپہر سے پہلے پہلے کر لینا جائز ہے (جامع الصغیر) قدوری نے اس کے اور زوال کے درمیان کے [3] الفاظ ذکر کئے ہیں اور صحیح پہلا قول ہے اور (نیت کے ذیل میں) مقیم اور مسافر اور تندرست اور مریض میں کوئی فرق نہیں ہے (التبیین) زوال سے پہلے نیت کرنا جائز ہے جبکہ طلوع فجر کے بعد سے ابتک کوئی کھانے پینے یا صحبت وغیرہ کا کوئی ایسا کام اس سے نہیں ہوا جو روزے کو توڑ دیتا ہو، نہ قصداً نہ بھولے سے، ورنہ اسکے بعد نیت درست نہ ہوگی (شرح الطحاوی) اگر دن میں روزے کی نیت کی تو یہ نیت کرے کہ وہ شروع دن سے روزہ دار ہے، نیت کرنے کے وقت سے روزہ دار ہونے کی نیت درست نہیں ورنہ روزہ دار نہ ہوگا (الجوہرۃ النیرۃ، سراج الوہاج) اگر رمضان کی رات میں اس پر بے ہوشی طاری ہوئی یا دن میں ہوئی تو اگر زوال سے پہلے اسے ہوش آگیا اور اس نے روزے کی نیت کرلی تو کافی ہے، یہی مجنون کا حکم ہے [4] (محیط السرخسی) اسی طرح اگر کوئی شخص نعوذ باللہ رمضان کے دن میں اسلام سے پھر گیا، اور پھر اسلام میں لوٹ آیا اور زوال سے روزے کی نیت کرلی تو اس کا روزہ ہو جائے گا (قاضی خاں) افضل یہ ہے کہ اس روزے کی نیت رات سے کرے جس کی دن میں بھی نیت کرنا درست ہے (خلاصہ) اور یہ کہ نیت تعیین کے ساتھ کیجائے [5] (اختیار شرح المختار) اگر رمضان میں کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرلی تو وہ روزہ رمضان کا ہوگا اس میں دوسرے واجب روزے کی ادائیگی نہ ہوگی اور اس شکل میں امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک مقیم و مسافر دونوں کا ایک ہی حکم ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر مسافر ماہ رمضان میں کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرلے تو وہ واجب روزہ ادا ہو جائے گا اور اگر اس نے نفلی روزے کی نیت کی تو اس میں دو روایتیں ہیں (کافی) اور صحیح تر یہ ہے کہ اس صورت میں رمضان ہی کا روزہ ہوگا (محیط) اور مریض کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ اگر وہ (مسافرت میں) نفلی روزہ رکھ لے تو وہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا (کافی) اگر مسافر اور مریض ماہ رمضان میں مطلق روزے کی نیت کرلیں تو وہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا (محیط) نذر معین کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اس میں دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھا جیسے قضاء رمضان یا کفارہ رمضان تو وہ اسی واجب کا روزہ ہوگا اور اس کو اپنے نذر والے روزے کی قضاء

---

[1] یعنی پھر اگلے دن جو وہ مسلسل بے ہوش رہا یا سوتا رہا اور اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تو اس کا روزہ شمار نہیں ہوگا [2] یعنی پھر وہ اگلے روز تک بے ہوش پڑا رہا یا سوتا رہا تو اب اس کا روزہ شمار ہوگا [3] یعنی طلوع فجر اور زوال کے درمیان روزے کی نیت کرلی، [4] کوئی شخص پہلے سے پاگل تھا اسے رمضان میں دن کے وقت زوال سے پہلے ہوش آگیا اور اس نے روزے کی نیت کرلی تو اس کا روزہ صحیح ہوگا [5] یعنی جس قسم کا فرض، واجب، نفل روزہ ہے اس کی تعیین کرلے۔

رکھنی پڑے گی[۱] (السراج الوہاج) یہی زیادہ صحیح ہے (بحر الرائق) قضاء اور کفارہ کے روزوں کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ رات سے روزہ کی نیت کرے اور جس قسم کا روزہ ہو اس کی بھی تعیین کرے، (النقایہ) نذر مطلق کا حکم بھی یہی ہے (سراج الوہاج) اگر قیدی کو ماہ رمضان کے (شروع ہونے کے بارے میں) کچھ شک ہے اور اس نے اندازاً روزہ رکھ لیا تو جائز ہے جبکہ یہ روزے رمضان کے بعد رکھے ہوں اور وہ عید کے یا تشریق کے ایام نہ ہوں اور روزے کی رات ہی سے نیت کی ہو۔ اگر یہ روزے رمضان سے پہلے رکھے ہوں تو فرض روزے ادا نہ ہوں گے (محیط) اور قضا کی نیت اس میں شرط نہیں اور یہی قول صحیح ہے کیوں کہ اس نے رمضان کے اس روزے کی نیت کی ہے جو اس کے ذمے واجب تھا (بدائع) اگر یہ قضاء روزے شوال میں رکھے اور اس سال اتفاق سے رمضان و شوال کے دونوں مہینے ۳۰، ۳۰ دن کے ہوں یا دونوں ۲۹، ۲۹ دن کے ہوں تو اس کے ذمے ایک دن کی قضا لازم ہوگی[۲]، اگر رمضان ۳۰ دن کا ہو اور شوال کا مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو دو دن کی قضا کرنی ہوگی اور اگر رمضان ۲۹ دن کا تھا، اور شوال ۳۰ دن کا تو کسی دن کی قضا لازم نہیں ہے۔ اگر اس کے روزے ماہ ذی الحجہ میں واقع ہوئے تو پھر اسی حساب کے مطابق دیکھا جائیگا کہ اس سال رمضان اور ذی الحجہ دونوں ۳۰، ۳۰ دن کے یا ۲۹، ۲۹ دن کے تھے تو اس کے ذمے چار دن کی قضا لازم ہوں اگر ماہ رمضان ۲۹ دن کا اور ماہ ذی الحجہ ۳۰ دن کا ہو تو ۳ دن کی قضا لازم ہے۔ اگر رمضان ۳۰ دن کا تھا اور ذوالحجہ ۲۹ دن کا، تو پانچ دن کی قضا لازم ہے

اگر اس نے یہ روزے ذی قعدہ یا کسی اور مہینے میں رکھے … تو اگر رمضان کا مہینہ اور یہ دوسرا مہینہ پورے ۳۰ دن کے ہوں یا دونوں ۲۹ دن کے ہوں یا دوسرا مہینہ پورا ۳۰ دن کا ہو تو اب اس کے ذمے کسی دن کی قضا لازم نہیں ہے اور رمضان ۲۹ دن کا تھا، اور یہ دوسرا مہینہ پورے ۳۰ دن کا تو اب ایک دن کی قضا لازم ہوگی (سراج الوہاج) اگر کوئی شخص دار الحرب میں لاعلمی کی بنا پر رمضان سے پہلے رمضان کے روزے رکھے اور ہر سال اسی طرح رکھتا رہے تو سب کے نزدیک پہلے سال کے روزے ادا نہ ہوں گے لیکن کیا دوسرے سال کے روزے سال اوّل کی اور تیسرے سال کے روزے سال دوم کی قضا شمار ہوں گے یا نہیں؟ فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اگر اس نے مبہم طور پر (ان دونوں سالوں میں) مطلق رمضان کے روزوں کی نیت کی تھی تو روزے ادا ہو جائیں گے اور اگر وضاحت کے ساتھ یہ نیت کی کہ دوسرے سال کے روزوں کی نیت کرتا ہوں تو فرض روزے ادا نہ ہوں گے۔ یہی زیادہ صحیح ہے (محیط) اگر ایک رمضان کے دو روزوں کی قضا واجب ہو تو نیت اس طرح کرنی چاہیئے، میں اس رمضان کے پہلے روزے کی نیت کرتا ہوں جس کی قضا مجھ پر لازم ہے۔ اگر پہلے روزے کی تعیین نہ کی تب بھی روزہ ادا ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی یہی مسئلہ ہے جب اس کے ذمے دو رمضان کے دو روزوں کی قضا واجب ہو۔ یہی مختار قول ہے۔ بلکہ اگر مطلق قضاء روزے کی نیت کی، کوئی اور

---

[۱] یعنی اگر یہ نذر مانی تھی کہ وہ شوال کی ہر تاریخ کو یا آئندہ جمعہ کو روزہ رکھوں گا، اگر میرا فلاں کام پورا ہو گیا۔ اب اس معین دن میں اگر اس نذر روزے کے بجائے اس نے اپنے اوپر لازم کفارے کا یا قضاء رمضان کا روزہ رکھ لیا تو اب نذر معین کے روزے کی قضا کرلے اور اس دن کا روزہ اسکی نیت کے مطابق ادا ہوگا [۲] یعنی کفارے کے روزے کیلئے ساٹھ روزے مسلسل رکھنا شرط ہیں۔ اب ایک ایک دن کی کمی اس لئے نظر انداز کردی جائے گی، کہ شوال کے مہینے میں بہرحال اسے ایک روزہ عید الفطر کے دن کا کم کرنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے اگر شوال بھی ۲۹ ہی دن کا واقع ہوا تو گویا اس ماہ میں اس کے ۲۸ روزے ہوئے اور قمری اور شرعی تقویم کے اعتبار سے ۲۸ دن کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا بہرحال اس کو ۲۹ دن کا مہینہ پورا کرنے کے لئے ایک دن کا روزہ اور رکھنا پڑے گا۔ ۱۲

نیت نہ کی تب بھی روزہ ہو جائے گا، اگرچہ کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو (خلاصہ)

کسی محتاج شخص نے رمضان میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا اور اس بنا پر اس نے اکسٹھ[۶۱] روزے رکھے، ایک قضاء کے طور پر اور باقی کفارے کی حیثیت سے لیکن اس نے قضاء روزے کا دن متعین نہیں کیا[۱]، تو یہ جائز ہے (فقیہ ابواللیث بحوالہ فتاوی قاضی خاں) اگر دو مختلف نوع کے روزوں کی نیت کی جو مؤکد اور فرض ہونے کے لحاظ سے ایک درجے کے ہوں تو ان میں جس کو (کسی لحاظ سے) ترجیح حاصل ہو اسی نوع کا روزہ تسلیم کیا جائے گا[۲] لیکن اگر ایک کو دوسرے پر کسی طرح ترجیح نہ دی جا سکے تو ہر دو نوع کے روزے ادا نہ ہوں گے[۳]، اگر ایک شخص نے قضاء رمضان کی بھی نیت کر لی اور اسی روزے میں نذر کی بھی نیت کر لی تو استحسان کے قاعدے سے وہ قضاء رمضان کا روزہ شمار ہوگا اگر رات سے یا دن میں نفل اور نذر معین کے روزے کی نیت کر لی یا رات سے نذر معین اور کفارہ کی بنت کی تو سب کے نزدیک نذر معین کا روزہ ادا ہوگا (سراج الوہاج) اگر ایک ساتھ قضاء رمضان کی اور کفارۂ ظہار کی نیت کی، تو اس صورت میں بہ طور استحسان قضاء کا روزہ ادا ہوگا (قاضی خاں) اگر عزم دی طور پر قضاء رمضان کی اور نفلی روزے کی نیت کی تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق وہ روزہ قضاء رمضان کا ادا ہوگا امام اعظم سے بھی یہی روایت منقول ہے (ذخیرہ) اگر کفارۂ ظہار اور کفارہ قتل کی، یا قضاء رمضان کی اور کفارۂ قتل کی ایک ساتھ نیت کی تو سب کے نزدیک کفارہ قتل کی نیت صحیح ہوگی (محیط) اگر کسی کفارے کی اور نفل کی ایک ساتھ نیت کی تو استحسان کے پیش نظر وہ روزہ کفارہ کا ادا ہوگا (ذخیرہ) حیض کے دوران عورت روزہ کی نیت کرے اور طلوع فجر سے پہلے پہلے وہ پاک ہو جائے تو اس کا روزہ درست ہوگا (سراج الوہاج) اگر قسم کے کفارہ کی اور قضا کی نیت کی تو نہ کفارہ کا روزہ ہوگا نہ قضا کا کیوں کہ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں روزے متعارض ہیں اور امام محمد کے نزدیک دونوں روزے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رکھے جائیں گے۔ ہاں نفل روزہ ادا ہو جائے گا (محیط) اگر صبح ہونے کے بعد قضاء روزے کی نیت کی تو قضاء روزہ ادا نہ ہوگا مگر اب نفل روزہ شروع ہو جائے گا اسکو توڑے گا تو قضا اس کے ذمے واجب ہو جائے گی (ذخیرہ)

دوسرا باب

چاند دیکھنے کا بیان اور اس کے احکام

یہ عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور شرعاً واجب بھی ہے کہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو سورج غروب ہونے کے وقت چاند کو ڈھونڈیں اگر چاند نظر آجائے تو اگلے دن روزہ رکھیں بادل ہو (اور چاند نظر نہ آئے) تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کریں (اختیار شرح مختار) اسی طرح سے شعبان کا حساب پورا کرنے کیلئے یہ بھی واجب ہے کہ (رجب کی ۲۹ تاریخ کو) شعبان کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں

یہ بات مختلف فیہ ہے کہ رویت ہلال کے سلسلے میں باکمال اور عادل نجومیوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ صحیح قول یہ ہے کہ ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (سراج الوہاج) خود نجوم جاننے والے کو بھی اپنے نجومی نقشے پر عملدرآمد کرنا جائز نہیں[۴] (معراج الدرایہ)

---

[۱] بلکہ ایک ساتھ اکسٹھ روزے رکھتا چلا گیا [۲] ظہار کا کفارہ اور قتل کا کفارہ، کسی شخص کے ذمے یہ دونوں روزے ہوں اور اس نے ایک ساتھ دونوں کی نیت کر لی [۳] البتہ جو روزہ یہ رکھ چکا ہے ان کی حیثیت نفلی روزوں کی ہو جائے گی [۴] نجوم ایک عقلی فن ہے جس میں غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، اس لحاظ سے شریعت نے اپنی ایک اہم عبادت کو کسی ایسی چیز سے وابستہ نہیں کیا جو بجائے خود مشتبہ ہو یا جس کا دار و مدار صرف چند ذہین اور باکمال لوگوں پر ہو، رویت ہلال کا تعلق اس بات سے اتنا نہیں کہ فی الواقع افق آسمان پر چاند طلوع ہوا یا نہیں جتنا اس بات سے کہ انسان اپنی مدنی زندگی کی ہر سطح پر ایک یکساں قسم کے سادہ سے ضابطے پر آسانی سے عمل کر سکے جس میں کوئی الجھن اور پیچیدگی پیش نہ آئے۔

چاند دیکھنے کے وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے (ظہیریہ) اگر زوال سے پہلے یا بعد میں چاند نظر آیا تو اس بنا پر نہ تو (رمضان کا) روزہ رکھا جائے گا اور نہ (عید کا دن تصور کر کے) روزہ توڑا جائے گا، وہ چاند آئندہ شب کا چاند سمجھا جائے گا، یہی مختار قول ہے (خلاصہ) اگر آسمان پر ابر ہو تو رمضان کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی معتبر ہو گی جبکہ وہ شخص مسلمان، عادل، عاقل اور بالغ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت ہو غلام ہو یا آزاد ہو، اسی طرح ایک شخص کی شہادت دینے کی دوسرا شخص گواہی دے تو وہ معتبر ہو گی [1] اگر کسی شخص پر حدِ قذف[2] جاری ہوئی تو ظاہر روایت کے مطابق وہ توبہ کر لے تو اس کے بعد اس کی بھی شہادت رویتِ ہلال کے سلسلہ میں قبول کر لی جائیگی (قاضی خاں) جس شخص کا حال معلوم نہ ہو [3] (کہ وہ شرائطِ شہادت پر پورا اترتا ہے یا نہیں) تو بہ ظاہر اس کی گواہی قبول نہیں ہو گی، ہاں امام حسن امام ابوحنیفہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی، اور یہی صحیح ہے (محیط) امام حلوانی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (شرحِ نقایہ للشیخ ابی المکارم) رمضان کے چاند کے بارے میں غلام کی شہادت پر دوسرے غلام کی گواہی معتبر ہے، اسی طرح عورت کی شہادت پر عورت کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی، جو بچہ بالغ نہ ہو اور بالغ ہونے والا ہو اس کی گواہی معتبر نہیں ہو گی۔

رویتِ ہلال کی گواہی میں شہادت کے لفظ، دعویٰ اور حاکم کے فیصلہ کی کوئی شرط نہیں ہے (یعنی) کسی نے حاکم کے سامنے یہ شہادت دی کہ اس نے رمضان کا چاند دیکھا ہے اس گواہی کو کسی دوسرے شخص نے سن لیا تو اگر وہ رویتِ ہلال کا گواہ بہ ظاہر عادل تھا تو اب اس شخص پر روزہ رکھنا واجب ہے، یہ ضروری نہیں کہ حاکم رویت کا فیصلہ کریگا تو روزہ رکھیگا

رویتِ ہلال کے سلسلے میں گواہوں سے کیا تفصیلات معلوم کی جائیں

ابوبکر اسکاف کہتے ہیں کہ اگر گواہ یہ بیان دے کہ اس نے بستی سے باہر جنگل میں یا کسی آبادی میں پھٹے ہوئے بادلوں کے درمیان چاند دیکھا ہے تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی اور ظاہر روایت کے مطابق اس تفصیل کے بغیر بھی اس کی گواہی قبول ہو گی، اگر خلیفہ یا قاضی تنہا رمضان کا چاند دیکھے تو اسے یہ حق ہے کہ یا تو کسی دوسرے شخص کو رویت کی گواہی کے لئے تلاش کرے یا از خود لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دے (اور رمضان کا اعلان کر دے) لیکن عیدین کے چاند کا حکم اس کے برعکس ہے (سراج الوہاج) ایک عادل مسلمان رمضان کا چاند دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ اسی رات میں (قاضی کے سامنے جا کر) اس کی گواہی دے خواہ اس کی حیثیت کچھ بھی ہو آزاد ہو یا غلام ہو مرد ہو یا عورت ہو بلکہ (پردہ نشین) باندی کیلئے بھی ضروری ہے کہ) مالک کی اجازت کا انتظار کئے بغیر چاند دیکھنے کی گواہی دے، جو شخص فاسق ہو اور اس نے تنہا نے چاند دیکھا ہو تو اس کو گواہی دینی چاہیئے اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ قاضی اسکی گواہی قبول کرے مگر قاضی کو ایک فاسق آدمی کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیئے (وجیز کردری) رویت ہلال کی گواہی کی یہ تفصیل اندرون شہر سے متعلق ہے۔ بستی سے باہر ایک آدمی رمضان کا چاند دیکھتا ہے تو قریب کے گاؤں کی مسجد میں جا کر گواہی دے، اگر اس بستی میں کوئی سرکاری نمائندہ اور سربراہ نہ ہو تو گاؤں کے لوگوں کی اس شخص کی گواہی پر روزہ رکھ لینا چاہیئے جبکہ وہ شخص عادل ہو (محیط) اگر ایک آدمی نے تن تنہا رمضان کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی تسلیم نہ کی گئی ہو تو اسے روزہ رکھنا واجب ہے، روزہ نہ رکھنے پر قضا لازم ہے، البتہ کفارہ

---

[1] یعنی ایک عاقل بالغ عادل مسلمان یہ اقرار کرے کہ اس کے سامنے ایک بالغ، عاقل، عادل مسلمان نے چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے شہر میں چاند دیکھنے کی شہادت ایک شخص نے دی تو دوسرا شخص اس شہر کے آس پاس کے مقام پر بستی کے لوگوں سے یہ کہے کہ فلاں آدمی نے چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے تو اس شخص کی اطلاع معتبر شمار ہو گی [2] یعنی کسی پر اس شخص نے زنا کا الزام لگایا ہو اور وہ ثابت نہ کر سکا ہو تو اس کو اس جھوٹے الزام میں شرعی سزا دی گئی ہو [3] بہ ظاہر اچھا، بھلا شریف اور مسلمان دکھائی دیتا ہو اور اصل حالات کا لوگوں کو علم نہ ہو کہ واقعۃً وہ ایسا ہی سیدھا سچا مسلمان ہے جیسا دکھائی دیتا ہے یا فی الواقع معاملہ برعکس ہے۔

نہیں آئیگا، اگر اس کی گواہی کو قاضی نے رد نہیں کیا مگر اس نے روزہ توڑ دیا تو صحیح قول کے مطابق اس کو کفارہ نہیں دینا پڑے گا (صرف قضا لازم ہوگی) (قاضی خاں) اگر فاسق شخص نے گواہی دی اور حاکم نے مان لی اور اس کے بعد لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم جاری کر دیا پھر اسی گواہی دینے والے نے یا بستی کے دوسرے لوگوں نے روزہ توڑ دیا تو عام مشائخ کے نزدیک اس کو کفارہ دینا پڑے گا (خلاصہ) اگر اس شخص کے ۳۰ روزے پورے ہو جائیں تو جبتک حاکم روزہ افطار نہ کرے اس کو بھی افطار نہیں کرنا چاہیئے (کافی) اگر آسمان صاف ہو (اور افق پر ابر یا گرد و غبار نہ ہو) تو اتنے لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی جن کی کثیر تعداد کی بنا پر گواہی سے یقین پیدا ہو جائے، یہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے کہ کتنے لوگوں کی تعداد ایسی یقین آفریں ہو سکتی ہے، کوئی عدد متعین نہیں کیا جا سکتا، یہی صحیح قول ہے (اختیار شرح مختار) رمضان، شوال اور ذی الحجہ تینوں مہینوں کے چاند کا یہی حکم ہے (سراج الوہاج) طحاوی کہتے ہیں کہ ایک آدمی کی گواہی اس وقت تسلیم کی جاتی ہے جب وہ (بستی کا نہ ہو بلکہ) باہر سے آئے یا کسی بہت اونچی جگہ پر (رہتا) ہو (ہدایہ) امام مرغینانی، صاحب اقضیہ اور مؤلف فتاویٰ صغریٰ نے طحاوی کے قول پر اعتماد کیا ہے، لیکن ظاہر روایت کے مطابق شہر سے باہر سے آنے والے اور شہر کے اندر چاند دیکھنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے (معراج الدرایہ)

شوال کا چاند رمضان کی ۲۹ تاریخ کو دیکھنا چاہیئے اگر چاند صرف ایک آدمی دیکھے تو (اگلے دن کا) روزہ نہ توڑے کیونکہ عبادت ہی میں زیادہ احتیاط ہے اگر روزہ توڑ دیا تو قضا کرنی پڑے گی کفارہ نہیں آئے گا، (اختیار شرح مختار) ایک شخص عید کا چاند دیکھ کر گواہی دیتا ہے لیکن اس کی گواہی قبول نہ کی گئی ہو تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے اگر اس نے روزہ توڑ دیا تو قضا کرنی پڑے گی، کفارہ نہیں دینا ہوگا (قاضی خاں) اگر کسی دوست کے سامنے گواہی دی اور اس نے اس کی گواہی کو سچ جان کر کچھ کھا پی لیا تو اس صورت میں (قضا لازم ہوگی) کفارہ نہیں آئے گا (فتح القدیر) اگر تنہا حاکم نے یا قاضی نے عید کا چاند دیکھا تو اسے نہ عیدگاہ جانا چاہیئے نہ لوگوں کو عید پڑھنے کا حکم دینا چاہیئے، اور نہ علی الاعلان نہ پوشیدہ طور پر اپنا روزہ توڑے (اور نہ لوگوں کو توڑنے کا حکم دے (سراج الوہاج) اگر آسمان (۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو) ابر آلود ہو تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی، نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ آزاد ہوں اور اپنی گواہی میں شہادت کا لفظ بھی ادا کریں (خزانۃ المفتین) اگر بستی سے باہر دو شخصوں نے یہ اطلاع دی کہ عید کا چاند ہو گیا اور آسمان پر بادل تھے جبکہ اس بستی میں کوئی حاکم قاضی وغیرہ بھی موجود نہ ہو تو اس اطلاع پر لوگ روزہ توڑ دیں تو کچھ حرج نہیں (زاہدی) بشرطیکہ خبر دینے والے دونوں شخص عادل ہوں (نقایہ) دعویٰ کرنا شرط نہیں ہے اور جس شخص کو زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی سزا دی گئی ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کر چکا ہو۔

آسمان اگر صاف ہے تو پھر عید کے چاند کی گواہی (ایک یا دو شخص کی معتبر نہ ہوگی جبتک کہ ایک بڑا مجمع اس کی گواہی نہ دے جیسا کہ رمضان کے چاند کا حکم ہے (خزانۃ المفتین، کافی) الشیخ الاسلام کہتے ہیں کہ باہر سے آنے والے دو آدمیوں کی گواہی قبول کی جائے گی (ذخیرہ) جو حکم عید کے چاند کا ہے وہی ذی الحجہ کے چاند کا ہے جیسا کہ ظاہر روایت ہے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے (ہدایہ) سال کے دوسرے مہینوں کا بھی یہی حکم ہے تاوقتیکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل اور آزاد جن پر حد جاری نہ ہوئی ہو گواہی نہ دیں چاند کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ (بحر الرائق) امام حسن امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر لوگوں نے ایک شخص کی گواہی پر روزہ رکھ لیا اور ۳۰ روزے پورے کر لئے، اور شوال کا چاند نہیں دیکھا تو احتیاط اسی میں ہے کہ روزہ رکھیں[1]، امام محمد سے یہ روایت ہے کہ روزہ توڑ دے (تبیین، غایۃ البیان نے

---

[1] کیونکہ جماعت نے اور عامہ مسلمین نے ابھی تک رویت ہلال کو تسلیم نہیں کیا۔

امام محمد کے قول کو اصح قرار دیا ہے (نہر الفائق) شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اقوال اس صورت میں ہے جبکہ آسمان صاف ہو، اور چاند نظر نہ آئے۔ اگر ابر ہے تو بلا اختلاف (۳۰ روزے پورے کر کے) روزہ توڑ دینا چاہیئے (ذخیرہ) (شمس الائمہ کی یہ تفصیل اشبہ ہے (تبیین) اگر رمضان کے چاند کی دو آدمیوں نے گواہی دی جبکہ آسمان پر ابر ہو اور قاضی نے یہ گواہی مان کر ۳۰ روزے رکھے، پھر شوال کا چاند دیکھا تو اس وقت بھی آسمان پر ابر تھا تو اب سب کے نزدیک اگلے دن روزہ نہیں رکھیں گے (رکھا ہوگا تو توڑ دیں گے) اور اگر شوال کا چاند دیکھتے وقت آسمان صاف تھا تب بھی صحیح قول کے مطابق (۳۰ روزے پورے کر کے) اگلے دن روزہ نہیں رکھا جائے گا (محیط) اگر بستی کے دو آدمیوں نے ۲۹ رمضان کو یہ گواہی دی کہ ہم نے لوگوں کے روزہ رکھنے سے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا تو حاکم کو ان کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیئے، کیوں کہ انھوں نے (وقت پر گواہی نہ دیکر) ایک واجب کو ترک کر دیا، البتہ یہ گواہ کہیں دور سے آئے ہیں تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی کیوں کہ ان پر کسی قسم کی تہمت نہیں ہے کہ وقت پر گواہی نہیں دی، (خلاصہ)

ظاہر روایت کے لحاظ سے مطالع[1] کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا (قاضی خاں) فقیہ ابو اللیث کا فتوی اسی پر ہے، شمس الائمہ حلوائی کا فتوی بھی یہ ہوتا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ مغرب کے لوگ رمضان کا چاند دیکھیں تو مشرق میں رہنے والوں پر روزہ واجب ہو جائیگا (خلاصہ) جو لوگ بعد میں چاند دیکھیں (اور کہیں سے ایک روز پہلے چاند ہو جانے کی اطلاع ان لوگوں کو ملے تو) ان کے ذمے ایک (مزید) روزہ اسو وقت واجب ہوگا جب اوروں کا چاند دیکھنا یقینی طور پر ثابت ہو جائے، کچھ لوگ آکر یہ گواہی دیں کہ فلاں بستی والوں نے تم لوگوں سے ایک روز پہلے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے اور آج کے دن پہلے چاند دیکھنے والوں کے حساب سے ۳۰ تاریخ پڑتی ہے مگر ان لوگوں کو یہاں چاند نظر نہیں آیا تو نہیں دوسرے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے، توڑنا جائز نہیں، نہ اس رات میں تراویح کا چھوڑنا درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ گواہی دی ہے کہ فلاں بستی میں ایک دن پہلے چاند ہوا ہے انہوں نے صرف دوسروں کے چاند دیکھنے کی حکایت بیان کی ہے نہ اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے نہ کسی دوسرے شخص کے دیکھنے کی گواہی دی ہے، اگر ان لوگوں نے (قاضی کے سامنے) یہ گواہی دی کہ فلاں بستی کے قاضی کے سامنے فلاں شب کو چاند دیکھنے کی گواہی دو شخصوں نے دی ہے اور قاضی نے ان کی گواہی تسلیم کر کے رویت کے حکم کا اعلان کر دیا ہے تو اب یہ قاضی ان لوگوں کی گواہی کو تسلیم کر کے رویت کا اعلان کر دے کیوں کہ قاضی کا فیصلہ حجت ہوتا ہے اور ان لوگوں نے قاضی ہی کے فیصلے کی گواہی دی ہے (فتح القدیر) اگر کسی جگہ کے لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھے بغیر روزے رکھنے شروع کر دئے پھر (اپنے حساب سے) اٹھائیسویں روزے کو شوال کا چاند دیکھا، تو اگر ان لوگوں نے ماہ شعبان کا چاند دیکھا تھا اور اس کے ۳۰ دن پورے کر لئے تھے پھر رمضان کا چاند نہیں دیکھا تو اس صورت میں ایک روزے کی قضا کریں اور اگر انتیسویں روزے کو شوال کا چاند دیکھا تو اب کسی روزے کی قضا ان کے ذمے نہیں، یا یہ صورت ہوئی کہ شعبان کا چاند نہیں دیکھا اور اس کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کے روزے شروع کر دئے تو اب دو دن کی قضا کریں گے (خلاصہ) اگر بستی میں لوگوں نے چاند دیکھا اور رمضان کے انتیس روزے ہوئے تو جن بیچاروں نے روزے نہیں رکھے انہیں ۲۹ روزوں کی قضا کرنی پڑے گی اور اگر بیمار آدمی کو بستی کے لوگوں کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا (کہ انھوں نے ۲۹ روزے رکھے یا ۳۰) تو وہ ۳۰ روزوں کی قضا کرے تاکہ جو واجب ہے وہ پورے طور پر یقین کے ساتھ ادا ہو سکے (محیط)

روزہ دار کیلئے مکروہ وغیر مکروہ چیزوں کی تفصیل

روزہ دار کو گوند چبانا مکروہ ہے (قاضی خاں) متن کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے

[1] چاند زمین کے قطر کے لحاظ سے کہیں ایک دن پہلے نظر آتا ہے کہیں بعد میں، چاند کے ظہور کا یہ مقام اصطلاح میں مطلع کہلاتا ہے بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جو طول البلد اور عرض البلد کے اختلافات ہوتے ہیں وہ بھی مطلع کے اختلافات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں کسی قدر تفصیل ہے ، مثلاً اگر منہ میں سیاہ گوند کی ڈلی رکھ لی جو بنا ہوا نہیں بلکہ کچا گوند ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر وہ سفید رنگ کی ڈلی ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا ، لیکن (سیاہ وسفید کی) یہ تفصیل کتاب میں نہیں ہے (محیط) جب تک ضرورت نہ ہو کسی چیز کو چکھنا یا چبانا (روزے کی حالت میں) مکروہ ہے (کنز) اور ضرورت کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً کسی کا شوہر یا آقا تند مزاج ہو تو اس کے ڈر سے وہ سالن چکھ لے ، کوئی عورت اپنے (چھوٹے) بچے کو کھانا چبا کر اس وقت کھلا سکتی ہے جب اس کے پاس کوئی حیض و نفاس کی بنا پر روزہ نہ رکھنے والی عورت یا کوئی اور ایسا شخص موجود نہ ہو جس کا روزہ نہیں ہے جبکہ اس بچے کو دودھ اور نرم قسم کی غذا بھی نہ دی جا سکتی ہو[1] (نہر الفائق) نفل روزہ میں سالن کا ذائقہ چکھنا مکروہ نہیں ، فرض روزہ میں ہے (نہایہ بحوالہ تجنیس) شہد یا تیل وغیرہ خریدنے کے وقت اسکو پرکھنے کے لئے چکھنا مکروہ ہے (قاضی خاں) بعض فقہاء کے نزدیک اگر اس کا خریدنا ضروری ہے تو جعلسازی کے اندیشے سے چکھنے کی اجازت ہے (زاہدی) روزہ دار کو استنجا کرنے میں مبالغہ سے کام لینا مکروہ ہے (سراج الوہاج) ناک میں پانی ڈالنے ، اور کلی کرنے میں مبالغہ کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں ، شمس الائمہ حلوائی نے تشریح کی ہے کہ مبالغہ یہ ہے کہ منہ میں پانی بھرے رکھے اور دیر تک لئے رہے ، غرارہ کرنا مبالغہ نہیں (محیط) اگر کوئی روزہ دار (تالاب وغیرہ کے) پانی میں (نہار رہا) ہو اور اس میں اس کی ہوا خارج ہو ، خواہ آواز کے ساتھ یا بلا آواز کے تو روزہ تو نہیں ٹوٹے گا ، مگر (ایسا کرنا) مکروہ ہے (معراج الدرایہ) امام اعظم سے روایت ہے کہ وضو کے علاوہ روزے میں کلی کرنا یا ناک میں پانی دینا مکروہ ہے اور (گرمی کی وجہ سے بلا ضرورت شرعی) آدمی نہانے لگے ، سر پہ پانی بہاتا رہے پانی کے اندر جا کر پڑ جائے یا بھیگا ہوا کپڑا بدن کو لپیٹ لے (یہ سب) مکروہ ہے ، امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی کراہت نہیں یہی قول اظہر ہے (محیط سرخسی) منہ میں تھوک جمع کر کے اس کو نگل لینا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے (ظہیریہ) صبح کے وقت یا شام کے وقت خشک یا تر مسواک کرنے میں احناف کے نزدیک کوئی کراہت نہیں ، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پانی میں جو مسواک تر ہو اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے ، مگر ظاہر روایت کے بموجب اس میں کوئی حرج نہیں ، اگر مسواک ہری اور تر ہو تو پھر کسی کے نزدیک بھی کچھ حرج نہیں ہے (قاضی خاں) مونچھوں پر تیل لگانا ، سرمہ استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے (کنز) بشرطیکہ آرائش کا تصور نہ ہو ورنہ مکروہ ہے (النہر الفائق) اس میں روزہ دار اور بے روزے دار کا کوئی فرق نہیں[2] (تبیین) سینگی لگوانے کی اجازت ہے اگر کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو کہ اور اگر کمزوری کا اندیشہ ہو تو پھر مکروہ ہے ، ایسے شخص کو سورج ڈوبنے تک رکنا چاہیئے (اسکے بعد سینگی لگوائے) شیخ الاسلام نے صراحت کی ہے کہ ضعف سے مراد وہ ضعف ہے جس کی بنا پر روزہ توڑنا پڑ جائے ، فصد کھلوانے کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے (محیط) جس کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ (وہ بے قابو ہو کر) بیوی سے صحبت کر بیٹھے گا یا (کمزوری کی وجہ سے) اسے انزال ہو جائے گا وہ (روزہ میں بیوی کا) بوسہ لیلے تو کچھ حرج نہیں ، اگر خطرہ ہو تو بوسہ لینا مکروہ ہے ، مذکورہ صورتوں میں بیوی سے مساس کرنے (اس سے لپٹنے اور چمٹانے) کا حکم بھی وہی ہے جو بوسہ لینے کی صورت میں ہے (تبیین) لبوں کا چومنا بہرحال مکروہ ہے اور شرمگاہ میں دخولِ عضو کے علاوہ (جبکہ بدن پر کپڑے ہوں) بیوی سے ہمبستری اور مباشرت بھی بوسے ہی کے حکم میں ہے ، بعض فقہاء نے مباشرتِ فاحشہ کو مکروہ کہا ہے ، اگرچہ (شہوت برانگیختہ ہونے کا) خطرہ نہ ہو ، یہی قول صحیح ہے (سراج الوہاج) مباشرتِ فاحشہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد و عورت عریانی کی حالت میں باہم لپٹے ہوئے ہوں ، اور مردانہ عضو عورت کی شرمگاہ سے بالکل متصل ہو یہ سب کے نزدیک مکروہ ہے (محیط)

---

[1] چبانے کا مطلب یہی ہے کہ اس عذر اور ضرورت کے تحت اتنی اجازت دی گئی کہ اپنے دانتوں سے مطلوبہ غذا کو نرم کر کے بچے کے منہ میں دے ، یہ مطلب نہیں کہ چبانے کے ساتھ خود بھی زبان سے اس کا ذائقہ حلق میں اتارے [2] کسی ضرورت سے اجازت ہے اور اس میں کراہت نہیں ہوگی ۔

لپٹنے چمٹنے میں اس وقت کچھ حرج نہیں جب آدمی کو اپنے اوپر کنٹرول ہو، یا مرد بڈھا پھونس ہو جس کو شہوت پیدا ہونے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ (سراج الوہاج) اگر آدمی ناپاک ہے اور اسی حالت میں صبح ہوگئی یا دن میں روزے کی حالت میں احتلام ہوگیا تو اس کے روزے میں کچھ نقصان نہیں ہوا (محیط)

سحری کھانے کا مستحب وقت شب کا آخری حصہ ہے، فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ وہ (رات کا) آخری چھٹا حصہ[1] ہے۔ (سراج الوہاج) سحری دیر کر کے کھانا مستحب ہے (النہایہ) ہاں اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ اس میں ہی شک ہو جائے کہ سحری کا وقت رہا یا نہیں (سراج الوہاج) افطار میں جلدی کرنا افضل ہے اور مستحب یہ ہے کہ نماز سے پہلے افطار کرے، افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ وَبِصَوْمِ الْغَدِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَوَيْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ (معراج الدرایۃ، فصل المتفرقات)

شک والے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے یعنی شعبان کا وہ آخری دن جس میں یہ شبہ ہو کہ وہ شعبان کا آخری دن ہے یا رمضان کا پہلا دن، اس دن رمضان کے روزے کی یا کسی اور واجب روزے کی نیت کرنا مکروہ ہے[2] (فتاویٰ قاضی خاں) ہاں کسی اور واجب روزے کی نیت میں رمضان کے روزے کی بہ نسبت کراہت کم ہوگی (ہدایہ) بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دن رمضان ہی کا تھا، تو اب ہر صورت میں اس دن کا روزہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا، البتہ اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ شعبان کا دن تھا تو رمضان کے روزے کی نیت کرنے کی صورت میں وہ نفلی روزہ ہو جائے گا، توڑنے پر قضا نہیں آئے گی (قاضی خاں) اور اگر کسی اور واجب کی نیت کی تھی، تو وہ اپنی نیت کے مطابق ادا ہو جائے گا، یہی قول صحیح ہے (کافی) اگر اس دن کے بارے میں یہ پتہ نہ چلے کہ وہ شعبان کا تھا یا رمضان کا تو سب کے نزدیک جس واجب روزہ کی نیت کی ہے وہ ادا نہ ہوگا (محیط) اگر نفل روزے کی نیت کی ہے تو صحیح قول کے مطابق روزہ ہو جائے گا، بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ رمضان کا دن تھا تو وہ رمضان کا روزہ ہو جائے گا، اور اگر وہ شعبان کا دن ثابت ہوا تو نفلی روزہ ہو جائے گا، یہ روزہ توڑ دیا تو اس کی قضا لازم آئے گی، کیوں کہ اس روزے کو اس نے اپنے ذمے لازم کر کے شروع کیا تھا[3] (قاضیخاں) اور اگر اس دن (کسی) نیت کی تعیین نہیں کی تھی تو یہ کراہت سے خالی نہیں، وہ دن شعبان کا ثابت ہوا، تو روزہ نفلی ہوگا اور رمضان کا دن ثابت ہوا تو روزہ رمضان کا ہو جائیگا۔ (محیط) اگر اصل نیت ہی مشکوک رہی کہ کل رمضان ہوا تو روزہ رکھوں گا اور شعبان کا دن ہوا تو روزہ نہیں رکھوں گا تو اب روزہ نہیں ہوگا، اگر (اصل نیت کے بجائے) نیت کے وصف میں شک ہوا یعنی یوں نیت کی کہ کل رمضان کا دن ہوا تو رمضان کا روزہ ہے اور شعبان کا دن ہوا تو کسی اور واجب کا یا یہ نیت کی کہ رمضان کا دن ہوا تو رمضان کا روزہ ہے اور شعبان کا دن ہوا تو نفل روزہ، تب بھی مکروہ ہے، پھر بعد میں یہ پتہ چلے کہ وہ رمضان کا دن تھا تو اب ہر صورت میں رمضان کا روزہ قرار پائے گا اور اگر شعبان کا دن ثابت ہوا تو پہلی صورت میں واجب ادا نہیں ہوگا بلکہ دونوں صورتوں میں نفل روزہ ہو جائے گا جس کے توڑنے پر قضا لازم نہیں ہوگی (تبیین) یوم شک وہ دن کہلاتا ہے کہ مہینے کی تیسویں شب میں چاند نظر نہ آئے اور آسمان پر بادل ہو (تبیین) یا چاند کی گواہی صرف ایک آدمی دے جس کو قبول نہ کیا گیا ہو، یا دو فاسق شخص گواہ ہوں مگر ان کی گواہی تسلیم نہ کی جائے لیکن آسمان صاف ہو اور کسی شخص نے چاند نہ دیکھا ہو تو وہ یوم شک نہیں ہے (زاہدی)

---

[1] یعنی قدیم تقویم کے لحاظ سے رات دن کے چند حصے ہوتے تھے اس لحاظ سے جو رات کا چھٹا حصہ قرار پائے وہ مراد ہے [2] یعنی یقینی طور پر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ رمضان کا چاند ایک دن پہلے ہوگیا یا نہیں [3] یعنی ایک واجب کو اس نے قصداً شروع کیا تھا اور ایک چیز کو اپنے ذمے خود لازم کر لیا تھا۔

شک والے دن میں روزہ رکھنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ آیا رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا، فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی نے شعبان کے پورے مہینے کے روزے رکھے ہیں یا اتفاق سے (ہفتہ میں ایک) جس دن اس کا روزہ رکھنے کا معمول تھا وہی دن یوم شک واقع ہو گیا، تو اب روزہ رکھنا افضل ہے (اختیار شرح مختار) ایسے ہی اگر شعبان کے آخر میں تین روزے رکھے تو یوم شک کا روزہ رکھنا افضل ہے (تبیین) اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر اختلاف ہے، پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ خواص کو نفل روزہ رکھنے کا فتویٰ دیا جائے (تہذیب) اور عام لوگوں کو زوال تک کھانے پینے اور صحبت سے روک دیا جائے کہ ممکن ہے آج رمضان کا روزہ ثابت ہو جائے جبکہ زوال کے بعد روزہ کی نیت درست نہیں (اختیار شرح مختار) یہی قول صحیح ہے (قاضی خاں) عوام اور خواص کا امتیاز اس طرح کرنا چاہیئے کہ جس کو شک والے دن کے روزے کی نیت معلوم ہو وہ خواص میں شمار کیا جائے گا ورنہ وہ عوام میں شمار ہوگا اور اس دن کے روزے کی نیت اس طرح کرنی چاہیئے کہ جو آدمی اس روز معمولاً روزہ نہ رکھتا ہو وہ نفل روزے کی نیت کرلے اور دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ کل رمضان کا روزہ ہو گیا تو یہ روزہ رمضان کے روزوں میں شمار ہو جائے گا (معراج الدرایہ) ایک شخص نے اس دن روزہ کی نیت کی اور یہ طے کیا کہ زوال کے وقت تک کوئی ایسا کام جو روزے کو توڑنے والا ہو نہیں کریگا پھر بھولے سے کچھ کھا پی لیا، بعد میں پتہ چلا کہ یہ رمضان کا پہلا دن تھا، اور اس نے روزے کی نیت بدستور باقی رکھی تو فتاویٰ میں صراحت ہے کہ ایسا جائز نہیں (ظہیریہ، باب النیۃ) عید اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگر رکھ لیا تو احناف کے نزدیک روزہ دار شمار کیا جائے گا۔ اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو روزے کی قضا لازم ہوگی (کنز) ظاہر روایت میں یہ حکم امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد تینوں سے نقل کیا گیا ہے۔ ہاں امام محمد و امام اعظم رح سے یہ بھی منقول ہے کہ اس دن کے روزے کی قضا لازم ہے (النہر الفائق) امام اعظم کے نزدیک شوال کے ٦ روزے رکھنے مکروہ ہیں، چاہے مسلسل رکھے یا متفرق طور پر، امام ابویوسف سے جو روایت منقول ہے اس کے مطابق مسلسل رکھنا مکروہ ہے۔ الگ الگ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں لیکن آخری دور کے فقہاء احناف کا قول یہ ہے کہ یہ ٦ روزے مسلسل رکھتے ہیں کچھ حرج نہیں (بحر الرائق) اصح قول بھی یہی ہے کہ تسلسل کے ساتھ یہ ٦ روزے رکھنے میں کوئی کراہت نہیں (محیط سرخسی) اور ہر ہفتے میں دو دن الگ الگ روزے رکھنے مستحب ہیں (ظہیریہ، فصل اوقات استحباب و کراہت صوم) صوم وصال مکروہ ہے یعنی سال بھر کے پورے ٣٦٠ دنوں کے روزے رکھے اور ان ایام میں بھی روزہ رکھے جنہیں روزہ رکھنا مکروہ ہے اگر ان ایام میں نہیں روزہ رکھتا تو پھر (مختار) قول کے مطابق اجازت ہے (خلاصہ) رات دن کا مسلسل روزہ رکھنا کہ کئی روز تک کسی وقت افطار ہی نہ کرے نہ دن میں نہ رات میں، یہ طریقہ مکروہ ہے (سراج الوہاج) افضل طریقہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے ایک دن نہ رکھے (خلاصہ) بار اور اتوار کے روز کی عظمت کا تصور اگر نہ ہو تو ان دونوں ایام کا روزہ رکھنے میں کچھ حرج نہیں، یہ شمس الائمہ حلوانی کا قول ہے (ذخیرہ) نوروز اور مہرجان کے دن قصداً روزہ رکھنا مکروہ ہے جبکہ اس دن اس کے روزہ رکھنے کا معمول بھی نہ ہو، جہاں تک افضلیت کا تعلق ہے تو اگر اس دن کا روزہ اس کے معمول میں شامل ہے تو افضل روزہ رکھنا ہے اور اگر پہلے سے اس کا ایسا معمول نہیں تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیوں کہ اس طرح اس دن کی عظمت کا شبہ پیدا ہوتا ہے جو (ایک مسلمان کیلئے) حرام ہے (ظہیریہ) یہی مختار قول ہے (محیط سرخسی) خاموش روزہ مکروہ ہے یعنی یہ عہد کرے کہ دن بھر کے (روزے میں کسی سے بات چیت نہیں کرے گا (قاضی خاں) خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کو نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے، لیکن اگر شوہر خود روزے سے ہو یا حج یا عمرے کے احرام میں ہو یا بیمار ہو تو پھر نفلی روزہ رکھنا مکروہ نہیں، غلام کو اور باندی کو بہر حال اپنے آقا کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ مدبر، مدبرہ اور ام ولد کا بھی یہی حکم ہے، ان لوگوں میں سے کوئی روزہ رکھ لے تو شوہر بیوی کا اور مالک غلام اور باندی کا روزہ تڑوا سکتا ہے، بیوی اپنے روزے کی اس وقت قضا کرے، جب شوہر اجازت دے یا وہ بیوی سے دور ہو اور غلام اور باندی اس وقت قضا کریں جب

ان کا مالک اجازت دے یا وہ آزاد ہو جائیں، اگر خاوند بیمار ہے یا روزے سے ہے یا حالت احرام میں ہے تو وہ بیوی کو نفلی روزہ رکھنے سے نہیں روک سکتا، اسکے روکنے کے باوجود بیوی اگر روزہ رکھے تو جائز ہے البتہ غلام اور باندی کا معاملہ دوسرا ہے، ان کا مالک انہیں نفلی روزہ سے ہر وقت روک سکتا ہے (الجوہرۃ النیرۃ) غلام کے اپنے کسی فعل کے نتیجے میں اس کے ذمے کچھ روزے واجب ہو گئے ہوں تو ان سب کا حکم یہی ہے، جو نفلی روزے کا بیان کیا گیا مگر کفارہ ظہار میں یہ حکم نہیں (خلاصہ) آقا کی اجازت کے بغیر نوکر کو نفلی روزہ نہیں رکھنا چاہیئے جبکہ روزہ کی بدولت اس کی کارگذاری میں کچھ کوتاہی واقع ہوتی ہو اور اگر اس میں کوئی کمی نہیں آتی تو پھر آقا کی مرضی حاصل کئے بغیر روزہ رکھ سکتا ہے (سراج الوہاج) اگر مسافر کو روزہ کی بنا پر ضعف لاحق ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے ورنہ روزہ رکھنا افضل ہے جبکہ رفقاء سفر سب کے سب یا اکثر روزہ سے ہوں، اگر قافلہ کا قافلہ یا زیادہ تر لوگ روزہ سے نہ ہوں اور سب کا کھانا پینا ایک ساتھ ہو تو اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے (ظہیریہ) مسافر نے روزہ رکھ لیا اور وہ اپنے شہر میں یا کسی اور بستی میں پہنچا اور پہنچکر اس نے ٹھیرنے کی نیت کرلی، تو اب روزہ توڑنا مکروہ ہے (قاضی خاں) کسی کے ذمے رمضان کے روزوں کی قضا ہو تو اسے نفل روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے (معراج الدرایہ) چاندنی راتوں کی ۱۳ اور ۱۴ اور ۱۵ کا روزہ رکھنا مستحب ہے (قاضی خاں) عام فقہاء کے نزدیک صرف جس طرح پیر کا یا جمعرات کا روزہ رکھنا مستحب ہے اسی طرح صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے (بحر الرائق) حرمت والے مہینوں میں جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے، حرمت والے مہینے چار ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، ۳ ماہ تو متصل ہیں اور ایک ماہ ان سے الگ ہے، ذی الحجہ میں ابتدائی نو دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے (سراج الوہاج) حاجیوں کو عرفے کے دن اگر کمزوری اور ضعف کا اندیشہ ہو تو انہیں اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے (بحر الرائق) ایسے ہی ترویہ کے دن مکروہ ہے کیونکہ (روزہ رکھ کر) ارکان حج پورے نہیں کرسکتا

مستحب روزے عام طور پر علماء فقہاء اور صحابہ کے نزدیک متعدد ہیں، محرم کے روزے، رجب کے روزے، یوم عاشوراء یعنی محرم کی دس تاریخ کا روزہ (ظہیریہ) عاشوراء کا روزہ نویں تاریخ کے روزے کے ساتھ ملا کر رکھنا، مسنون ہے (فتح القدیر) صرف عاشوراء والے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے (محیط سرخسی) موسم گرما میں گرم اور لمبا دن ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا، یہ (روزہ کا) ادب ہے (ظہیریہ)

چوتھا باب
کونسی چیزیں روزہ توڑتی ہیں اور کونسی چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں!

روزہ توڑنے والی چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم (میں وہ چیزیں داخل ہیں) جن سے قضا کرنی واجب ہو جاتی ہے، کفارہ نہیں آتا، اگر روزے کی حالت میں بھولے سے کچھ کھا پی لیا یا صحبت کرلی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ روزہ فرض ہو یا نفل ہو (ہدایہ) ایک شخص کو کھاتے کھاتے کسی نے ٹوکدیا کہ تمہارا تو روزہ ہے، مگر اس کو روزہ یاد نہیں آیا تو صحیح بات یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا (ظہیریہ) کسی کو روزے میں بھولے سے کچھ کھاتے پیتے دیکھے، تو مختاروں کے مطابق اگر اسے روزے کی یاددہانی نہ کرائے تو یہ مکروہ ہے، بشرطیکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس روزہ دار میں شام تک روزہ پورا کرنے کی سکت ہے اور اگر اس شخص کو روزہ پورا کرنے سے کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی بہت بوڑھا شخص ہو تو اس وقت اس کو روزہ یاد نہ دلانا جائز ہے (ظہیریہ، فصل اغذیۃ المبیحہ) اگر کسی شخص کی زبردستی سے یا خود اپنی خطا اور غلطی سے آدمی روزہ خوری کا مرتکب ہو تو اس وقت اس روزہ کی قضا کرنی پڑے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا (قاضی خاں) خطا سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو روزہ تو یاد

ہو اور روزہ توڑنے کا ارادہ بھی نہ ہو مگر یوں ہی وہ کچھ کھا پی لے بھولنے والے کا معاملہ اس کے برعکس ہے (کہ اسکو روزہ یاد ہی نہیں ہوتا)۔ (نہایہ بحر الرائق) کلی کرتے یا ناک میں پانی دیتے وقت پانی اندر چلا گیا تو اگر اپنا روزہ دار ہونا یاد تھا تب تو روزہ ٹوٹ گیا، اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی، اگر روزہ بالکل یاد نہیں تھا تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا (خلاصہ) اور یہ ہی معتمد (قول) ہے، کسی شخص نے روزہ دار کی جانب کوئی چیز پھینکی اور وہ اس کے حلق میں جا پڑی تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیوں کہ اس روزہ دار کی حیثیت خطا کرنے والے کی سی ہے، ایسے ہی اگر نہانے کی حالت میں حلق کے اندر پانی پہنچ گیا تب بھی یہ ہی مسئلہ ہے (سراج الوہاج) نیند کی حالت میں اگر کوئی شخص پانی پی لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور یہ بھول میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ نیند میں یا بیہوشی کی حالت میں کوئی شخص کسی جانور کو ذبح کرے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں ہوگا، ہاں جو آدمی ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جائے اس کا ذبیحہ کھانا جائز ہے (قاضی خاں) اگر کوئی ایسی چیز نگل لی جو معمول کے مطابق دوا یا غذا نہیں ہے جیسے مٹی یا پتھر تو کفارہ واجب نہیں ہوگا (تبیین) اگر کوئی کنکر، پتا، ڈھیلا، روئی، تنکا یا کاغذ نگل لیا تو قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا (خلاصہ) اگر نیم پختہ بھی کو جو سبزی کی شکل میں بھی پکائی نہیں گئی ہو نگل لیا تو کفارہ نہیں، اور اگر تازہ اخروٹ نگل لیا تب بھی یہ ہی مسئلہ ہے (النہر الفائق) خشک بادام یا خشک اخروٹ نگل لینے سے بھی کفارہ لازم نہیں، انار چھلکے سمیت یا انڈا اس کے خول سمیت نگل لیا تب بھی کفارہ نہیں آئے گا (خلاصہ) تازہ پستہ اخروٹ کا حکم رکھتا ہے، اگر وہ خشک ہو اور اس کو چبا لیا جبکہ اس کے اندر مغز ہو تو کفارہ لازم ہے، اگر چبائے بغیر نگل لیا تو کسی کے نزدیک بھی کفارہ نہیں آئے گا، اگر پستہ کا ایک سرا پھٹ گیا ہے (گویا اندر کا مغز نظر آتا ہے) اور پھر اس کو چبایا نہیں بلکہ ویسے ہی نگل گیا تب بھی عام فقہاء کے نزدیک کفارہ نہیں آئیگا (قاضی خاں) اگر خربوزہ کا خشک چھلکا نگل لیا جو دیکھنے میں گندہ اور خراب معلوم ہوتا ہو تو کفارہ نہیں آئے گا لیکن اگر چھلکا تازہ تھا اور گندہ نظر نہیں آتا تھا تب کفارہ لازم ہوگا (ظہیریہ) باجرہ یا چاول کھا لینے سے کفارہ نہیں آتا (ذخیرہ) اسی طرح مسور اور ماش اگر کھائی، تو کفارہ نہیں آئے گا، (زاہدی اگر ملتانی) مٹی جس سے سر دھوتے ہیں کھائی تو روزہ ٹوٹ جائے گا بلکہ اگر اس شخص کو اس مٹی کے کھانے کی عادت پڑی ہوئی ہے تو قضا بھی اور کفارہ بھی دونوں لازم ہوں گے (ظہیریہ) دانتوں کے بیچ میں کھانے کے بعد جو کچھ (ریزہ وغیرہ) پھنس جائے وہ اگر معمولی مقدار میں ہے اور پھر اس کو نگل لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر زیادہ مقدار میں ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، تھوڑے اور بہت کی مقدار کا معیار یہ ہے کہ چنے کے دانے کے برابر یا زائد ہو تو وہ بڑی مقدار ہے اور اس سے کم ہو تو وہ تھوڑی مقدار ہے، اگر اس ریزہ کو منہ سے نکالکر ہاتھ میں لیا اور پھر کھا لیا تو روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے (کافی) اس سلسلہ میں وجوب کفارہ کے متعدد قول ہیں، فقیہ کہتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں (خلاصہ) اگر دانتوں میں کوئی تل پھنس گیا اور پھر اسکو وہ نگل لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ ویسے باہر سے اٹھا کر تل منہ میں لیا اور نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر وجوب کفارہ میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ بلا چبائے نگلنے پر کفارہ واجب نہ ہوگا (غیاثیہ، قاضی خاں) یہ ہی اصح قول ہے (محیط سرخسی) اگر تل چبا لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر حلق میں اس کا ذائقہ محسوس ہوا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، یہ ہی بات ٹھیک ہے بلکہ تھوڑی مقدار میں ہر چیز کے چبانے کا یہ ہی قاعدہ کلیہ ہے (فتح القدیر) گیہوں کا دانہ چبانے پر روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ وہ منھ کے منہ ہی میں ختم ہو جاتا ہے (قاضی خاں) دوسرے شخص کو کھانا کھلانے کے لئے لقمہ چبا کر خود نگل لیا تو ظاہر یہ ہی ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا (جیز کردری) سحری کے وقت منہ میں لقمہ تھا، کہ صبح ہو گئی اور پھر اس نے اسے نگل لیا یا بھولے سے کھانے کے لئے روٹی کا ٹکڑا اٹھایا جب اسے چبانے لگا تو روزہ یاد آیا مگر اسکے باوجود وہ اس کو نگل گیا تو بعض کے نزدیک لقمہ منھ کے اندر ہی نگل گیا اور اسے باہر نہیں نکالا تو کفارہ لازم ہوگا اور اگر منہ میں سے نکال لیا اور پھر اسے کھایا تو کفارہ نہیں آئے گا، یہ ہی صحیح ہے (قاضی خاں) دوسرے شخص کا تھوک نگلنے سے روزہ تو ٹوٹ جاتا

ہے مگر کفارہ نہیں آتا لیکن اگر کسی محبوب و معشوق کا تھوک ہے تو (چوں کہ اس میں ایک طرح کی لذت محسوس ہوتی ہے اسلئے) کفارہ دینا پڑے گا، اگر اپنا تھوک ہاتھ میں لیا اور پھر نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کفارہ نہیں آئیگا (وجیز کردری) عادتاً کسی کے لب گفتگو کرتے وقت لعاب سے تر ہو جاتے ہوں اور پھر وہ اسے نگل لے تو بر بنائے ضرورت روزہ نہیں ٹوٹے گا (زاہدی) منھ کی رال بہہ کر ٹھوڑی تک آگئی جس کا سلسلہ منھ کے لعاب سے ملا ہوا ہو، پھر وہ اس رال کو منھ کے اندر کرلے اور نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ درحقیقت وہ تھوک پوری طرح خارج نہیں ہوا تھا (بلکہ منھ سے اس کا تعلق قائم تھا) چنانچہ اگر لعاب کا کوئی تار منھ سے ملا ہوا نہیں (اور رال ٹھوڑی پر بہہ رہی ہو) تو اس کا حکم اس کے برعکس ہے (یعنی روزہ ٹوٹ جائیگا) (ظہیریہ) اجحنہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو ایسا مرض ہو کہ منھ سے پانی بہتا ہو اور پھر اندر حلق میں چلا جاتا ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا (تاتارخانیہ) کلی کرکے منھ کے اندر کچھ تری سی رہ گئی تو اسے تھوک کے ساتھ نگل لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر دماغ سے ناک کی ریزش بہہ کر آئی، پھر اسے اوپر چڑھالیا، اور جان کر حلق کی طرف اسے منتقل کر دیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس کی حیثیت تھوک ہی کی ہے (محیط سرخسی) کسی شخص نے خون پی لیا تو ظاہر روایت یہ ہی ہے کہ اس کی قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا کیوں کہ طبعاً خون قابل نفرت شے ہے (ظہیریہ) دانتوں کا خون بہہ کر حلق میں چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خون کم اور تھوک زیادہ ہو، اگر خون زیادہ اور تھوک کم ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر دونوں چیزیں برابر ہوں تو استحسان کے قاعدے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، ریشم کا کام کرنے والے کے منھ میں روزے کے اندر ریشم چلا جائے یا ریشم کا سبز، زرد، یا سرخ رنگ تھوک میں مل گیا اور تھوک رنگین ہو گیا اور اس نے وہ تھوک نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا جبکہ اسے اپنا روزہ یاد بھی ہو (خلاصہ) اہلیلہ کو چوسنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ اس کا تھوک حلق میں چلا جائے تاوقتیکہ ہیڑ ہی کو نگل نہ لے (ظہیریہ) اگر شکر کی ڈلی (یا کسی پھل کے جمے ہوئے شیرے) کو چوس لیا اور حلق میں اس کا پانی پہنچ گیا، تو کفارہ نہیں آئے گا (محیط سرخسی)

قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز کھائی نہ جاتی ہو اور اس سے بچنے کی صورت بھی نہ ہو جیسے مکھی، اگر وہ روزہ کی حالت میں پیٹ میں چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا (ایضاح کرمانی) مکھی پکڑ کر کھالی تو قضا آئے گی کفارہ نہیں آئے گا (شرح طحاوی) اگر جمائی آئی، اس نے سر اٹھایا اور منھ میں کسی پرنالے سے پانی کا قطرہ آگرا تو روزہ ٹوٹ جائے گا (سراج الوہاج) اگر بارش یا برف حلق میں پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، یہ صحیح ہے (ظہیریہ) اگر پیسنے کوٹنے سے حلق کے اندر غبار یا دوا کا مزہ، دھواں یا غبار پہنچ جائے جو ہوا سے یا جانوروں کے چلنے سے اڑتا ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا (سراج الوہاج) اگر روزے کے اندر (آنکھ سے) آنسو (نکلیں اور) ایک دو قطروں کی مقدار میں منھ میں چلے جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر آنسو زیادہ ہوں کہ ان کا کھارا پن منھ میں محسوس ہونے لگے اور منھ میں یہ آنسو جمع ہو جائیں پھر ان کو نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح اگر چہرے سے پسینہ بہا اور روزہ دار کے منھ میں چلا گیا، تو اس کا آنسوؤں ہی جیسا حکم ہے (خلاصہ) بدن کے مسامات سے جو تیل (مالش کے ذریعہ) اندر پہنچتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا (شرح مجمع) نہانے کے بعد کسی شخص کو جسم کے اندر ٹھنڈ محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (النہر الفائق) احناف کے نزدیک آنکھ میں دوا کے قطرے ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے اس کا مزا حلق کے اندر بھی آجائے، کسی شخص کے تھوک میں سرمہ کا رنگ یا اس کا اثر معلوم ہو تو عام مشائخ کے قول کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹتا (ذخیرہ) یہ ہی زیادہ صحیح ہے (تبیین)

روزے میں قے کا مسئلہ کسی شخص نے قصداً قے کی یا قے اس نے واپس لوٹا دی تو روزہ ٹوٹ جائے گا جبکہ قے منھ بھر کر ہو، لیکن منھ بھر کر نہ ہو اور اس نے قے کو منھ سے باہر نکال دیا یا (تھوڑی مقدار میں ہو) خود بخود حلق

میں واپس چلی گئی ہو یا (اس معمولی مقدار کو) اسنے قصداً حلق میں لوٹا دیا ہو تو زیادہ صحیح قول کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹیگا (النہر الفائق) اور ان سب صورتوں کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب قے کے اندر غذا یا پانی یا صفرا (کا مادہ) ہو، اگر اس میں بلغم نکلا ہے تو پھر کسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد صاحب کا مسلک ہے، امام ابو یوسف اس میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک بلغم اگر قے میں منہ بھر نکلا ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور ان کا یہ قول ان دونوں اماموں کے قول سے زیادہ عمدہ ہے (فتح القدیر)

روزہ میں تیل کا استعمال

کسی شخص نے تیل کا اینما کرایا یا ناک میں تیل چڑھایا یا کان میں تیل کا قطرہ ٹپکایا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، البتہ کفارہ نہیں آئے گا (ہدایہ) اگر تیل کسی ایسی طرح اندر پہنچ گیا جس میں اس کے کسی فعل کا دخل نہ ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائیگا (محیط سرخسی) اگر کان میں پانی کا قطرہ پہنچ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (ہدایہ) یہ ہی صحیح ہے (محیط سرخسی) امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک اگر، پیشاب گاہ کے سوراخ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (المحیط) خواہ تیل کا قطرہ ہو یا پانی کا، برابر ہے، اور یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جب وہ قطرہ مثانے تک پہنچ جائے، اگر صرف پیشاب گاہ کی نالی ہی تک رہے، تو کسی کے نزدیک بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (التبیین) عورتیں اگر اپنی پیشابگاہ میں کچھ ٹپکائیں گی تو سب کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا، اور یہ ہی صحیح ہے (ظہیریہ)

گہرے زخم میں دوا کا استعمال

اگر سر میں یا پیٹ میں گہرا زخم ہو تو اکثر مشائخ کے نزدیک جب دوا پیٹ کے یا دماغ کے اندر تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائیگا، چاہے خشک دوا ہو یا تر ہو، اگر یہ پتہ چل جائے کہ خشک دوا بھی اندر تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ تر دوا بھی اندر تک نہیں پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (العنایہ) اگر دوا کا کچھ حال معلوم نہ ہو کہ اندر تک پہنچی یا نہیں اور دوا تر صورت میں ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ تر دوا عام طور پر اندر تک پہنچ جاتی ہے، اور امام محمد و ابو یوسف کے نزدیک معلوم نہ ہونے کی صورت میں صرف شک کی بنا پر روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر دوا خشک ہو تو پھر ان تینوں اماموں میں سے کسی کے نزدیک بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (فتح القدیر) اگر کسی کے تیر لگ گیا، یا اس کے کسی نے نیزہ مارا اور وہ (ٹوٹ کر) اس کے پیٹ میں رہ گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، ہاں اس کا ایک حصہ جسم سے باہر رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (التبیین) کسی شخص نے گوشت کی بوٹی نگل لی جو کسی دھاگے میں پڑی ہوئی تھی اور پھر جب ہی نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر اسے کچھ دیر چھوڑے رکھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا (البدائع) اگر لکڑی نگلی جس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہو اور پھر اسے نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر پوری لکڑی نگل لی تو روزہ ٹوٹ جائے گا (الخلاصہ) اگر کسی نے اپنی انگلی پاخانے کے راستے میں دی یا عورت نے اپنی پیشابگاہ میں انگلی داخل کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ ہی مختار قول ہے، لیکن اگر انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو اس کے اندر پہنچنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائیگا (ظہیریہ) اگر روزہ دار کو اپنا روزہ یاد ہو اس وقت یہ حکم ہے اور یہ تنبیہ بہت عمدہ ہے اس کا یاد رکھنا ضروری ہے، کہ ان سب صورتوں میں اسی وقت روزہ ٹوٹے گا جب روزہ دار کو روزہ رکھنا یاد ہو ورنہ روزہ نہیں ٹوٹے گا (زاہدی) اگر کسی روزہ دار کی کانچ باہر نکل پڑے تو جبتک اس کو کسی کپڑے سے خشک نہ کرلے اس وقت تک اس جگہ سے کھڑا نہ ہو تاکہ پانی اندر نہ پہنچے جس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، یہ ہی وجہ ہے کہ فقہاء کہتے ہیں روزہ دار کو طہارت کرتے وقت سانس نہ لینا چاہیئے (محیط سرخسی) اگر روزہ میں دیر تک طہارت کی اور پانی اندر پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، (بحر الرائق) کسی نے زبردستی کی اور اس کے جبر کی بنا پر صحبت کرلی تو اس پر قضا لازم ہے کفارہ نہیں (قاضی خاں) اسی پر فتویٰ ہے، اسی طرح اگر عورت زبردستی کرے تب بھی یہ ہی حکم ہے (خلاصہ) طلوعِ فجر سے قبل دخول کیا، پھر صبح ہونے کے اندیشہ سے عضو کو باہر نکال لیا اور اس کے بعد انزال ہوا تو صبح ہو چکی تھی، اب قضا نہیں

آئے گی، اگر بھولے سے جماع شروع کر دیا یا صبح ہونے سے پہلے دخول کیا، اتنے میں صبح ہوگئی تو اسے یاد آگیا اور اس نے فوراً عضو باہر نکال لیا تو صحیح روایت کے مطابق روزہ نہیں جائے گا (قاضی خاں) اگر اسی حالت میں کافی وقت گذر گیا تو ظاہر روایت یہ ہی ہے کہ اب قضا بھی کرنی ہوگی اور کفارہ بھی دینا ہوگا (بدائع) کسی عورت کی پیشاب گاہ کو یا اس کے چہرے کو کئی بار شہوت سے دیکھا یا ایک بار دیکھا پھر انزال ہوگیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ایسے ہی تخیل بندھ گیا اور اس سے انزال ہوگیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (سراج الوہاج) اگر بیوی کا بوسہ لینے سے انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں کفارہ نہیں آئے گا (محیط) باندی اور لڑکے کا بوسہ لینے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے، بیوی شوہر کا بوسہ لے اور (اپنے مقام مخصوص میں) کچھ تری محسوس کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں تری تو محسوس نہیں کی مگر مزہ آیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، امام محمد کی رائے ان کے خلاف ہے (زاہدی) اگر کسی جانور کے بوسے لئے اور انزال ہوگیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا (محیط) چھونے کا، لپٹنے چمٹنے کا، مصافحے اور معانقے کا حکم بوسہ ہی جیسا ہے (بحر الرائق) کپڑے کے اوپر سے بیوی سے مساس کیا اور انزال ہوگیا تو اگر بیوی کے جسم کی کچھ حرارت اسے محسوس ہوئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں (معراج الدرایہ) بیوی نے شوہر سے مساس کیا اور شوہر کو انزال ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا ہاں خود شوہر نے بیوی کو اسکے لئے برانگیختہ کیا تھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے (محیط) اگر کسی جانور کی پیشاب گاہ سے مساس کیا اور انزال ہوگیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (سراج الوہاج) اگر جانور سے یا کسی مردہ لاش سے صحبت کی یا پیشاب گاہ سے اوپر اوپر مجامعت کی، اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر ان سب صورتوں میں انزال ہوگیا تو قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں آئے گا (قاضی خاں) روزہ کی حالت میں آدمی اپنے عضو کو ہلائے اور اسے انزال ہوجائے تو قضا آئے گی، یہ ہی مختار قول ہے اور عام مشائخ کا قول بھی یہی ہے (بحر الرائق) اگر عضو مخصوص کو بیوی کے ہاتھ سے حرکت دلائے، اور انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا (سراج الوہاج) اگر کسی نے ایسی عورت سے صحبت کر لی جو سو رہی ہو یا اسے پاگل پن کا دورہ پڑا ہو جبکہ وہ حالت بیداری میں یا افاقہ کے وقت روزے کی نیت کر چکی تھی تو اس عورت کا روزہ تینوں اماموں کے نزدیک ٹوٹ جائے گا (الخلاصہ) اگر دو عورتیں باہم ایک دوسرے سے اپنی پیشاب گاہوں کو رگڑیں (اور چپٹی کھیلیں) تو انزال ہونے سے ان کا روزہ ٹوٹ جائیگا، ورنہ نہیں (سراج الوہاج) انزال کی صورت میں کفارہ نہیں آتا (فتح القدیر)

وہ صورتیں جن سے قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے

جو شخص قصداً اگلی یا پچھلی طرف سے روزہ میں صحبت کرے اس پر قضا بھی ہے اور کفارہ بھی اور دونوں صورتوں میں انزال ہونا ضروری نہیں (ہدایہ) اگر عورت نے خوشی خوشی صحبت کرائی تو اس کا بھی یہ ہی حکم ہے جو مرد کا اور اگر بالجبر اس سے صحبت کی گئی تو اس پر صرف قضا ہے کفارہ نہیں، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ عورت سے شروع میں تو زبردستی کی گئی اور آخیر میں اس نے خوشی خوشی صحبت کرائی، (فتاویٰ قاضی خاں) اگر عورت نے کسی لڑکے کو یا کسی پاگل شخص کو اپنے اوپر قابو پالے کا موقعہ دیدیا اور اس نے اس سے زنا کر لیا، تو اس صورت میں اس عورت پر بالاتفاق کفارہ واجب ہوگا (زاہدی) کسی نے جان کر کوئی دوا یا غذا کھائی تو کفارہ دینا ہوگا یہ اس صورت میں ہے جب وہ دوا کی نیت سے یا غذا کی نیت سے اسے کھائے، اگر یہ نیت نہیں ہے تو کفارہ نہیں آئے گا[1]

---

[1] دوا کھانے کی اس وقت اجازت ہے جب کوئی طبیب حاذق دمعتمد روزہ رکھنے کو مضر بتائے اور صحت کیلئے روزہ توڑنا ضروری ہے۔

قضا کرنی ہوگی (خزانۃ المفتیین) اسی لحاظ سے روزہ میں اگر روٹی کھائی یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل اور دودھ وغیرہ استعمال کیا یا ہیڑ، مشک زعفران، کافور وغیرہ کھایا تو احناف کے نزدیک قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے (قاضی خاں) سرکہ، زعفران کا عرق، ترش پانی، بوہے کا پانی یا خربوزہ، ککڑی، کھیرا اور انگور کا پانی یا بارش، اولہ اور برف کا پانی قصداً پئے تب بھی یہی حکم ہے، ایسے ہی اگر وہ مٹی کھالی جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے جیسے گل ارمنی (گیرد) یا وہ جو بھون کر استعمال کی جاتی ہے۔ یا سکہ ملا جوار کا آٹا کھالیا یا کوئی چھوٹا خربوزہ نگل لیا اس کا بھی یہی حکم ہے، کچا گوشت یا کچی چربی کھائی تو مختار قول کے مطابق اس کا بھی یہی حکم ہے (خزانۃ المفتیین) بھنے ہوئے جو نگلے تو کفارہ دینا ہوگا، بغیر بھنے ہوئے جو نگلنے پر کفارہ لازم نہیں، کیوں کہ بھنے ہوئے جو کھانے کا تو رواج ہے کچے جو کھانے کا رواج نہیں ہے (محیط سرخسی) جوار کے آٹے میں سکہ یا دہی ملا کر کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے، گیہوں کا بھی یہی حکم ہے (خلاصہ) اگر جوار کا پیڑ کھا لیا تو زندویسی کے نزدیک اس پر کفارہ ہے کیوں کہ اس میں مٹھاس اور مزہ ہوتا ہے، اگر پیڑ کے پتے اتنے بڑے بڑے کھائے جن کے کھانے کا رواج ہے جیسے انگور کے بڑے پتے تو قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں آئے گا (بحر الرائق) ہر قسم کی گھاس پات کا یہی حکم ہے، اگر انگور کو چبا کر کھا لیا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی آئے گا اور اگر ایسا دانہ جس کا چھلکا اترا ہوا ہو بغیر چبائے نگل گیا تب بھی یہ حکم ہے، اگر انگور کے اس دانہ پر چھلکا تھا تو عام علماء کا مذہب یہی ہے کہ قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، مگر ابو سہل کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں آئے گا اور یہی صحیح ہے (ظہیریہ) تازہ بادام کو نگلنے سے کفارہ آئے گا (محیط سرخسی) اگر تازہ یا خشک اخروٹ اور بادام کو چبا کر نگلا تو کفارہ دینا ہوگا (معراج الدرایہ) نمک کھانے سے کفارہ نہیں آتا، ہاں نمک کھانے کی عادت ہو تو کفارہ آئے گا (تبیین) نمک کھا لیا تو کفارہ واجب ہے یہی مختار قول ہے (خلاصہ) صدر الشہید کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے (شرح نقایہ للشیخ ابی المکارم)

وہ متفرق مسائل جو اسی دوسری قسم سے ملتے جلتے ہیں

بھول کر کھایا پیا یا صحبت کی، پھر اس خیال سے کہ روزہ تو ٹوٹ ہی گیا پھر دوبارہ عمداً کھا پی لیا تو اس پر کفارہ نہیں آئے گا، اگر اس کو اس بات کا علم ہو کہ بھولے سے آدمی افطار کرلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک (اس کے دوبارہ قصداً کچھ کھا پی لینے سے) کفارہ واجب ہوگا یہی زیادہ صحیح ہے (خلاصہ) قے ہوگئی اور یہ سمجھ کر روزہ ٹوٹ گیا اس نے کچھ کھا پی لیا تو کفارہ نہیں آئے گا ہاں اگر اسے علم ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا اور پھر اس نے کھا لیا، تو کفارہ واجب ہوگا (بحر الرائق) احتلام ہوگیا اور روزہ ٹوٹ جانے کے خیال سے اس نے قصداً کچھ کھا لیا، تو اس پر کفارہ نہیں (محیط) اگر احتلام کا مسئلہ معلوم ہے تو پھر کفارہ آئے گا (ظہیریہ) روزے میں سینگی لگوائی پھر اس خیال سے کہ روزہ ٹوٹ گیا اس نے قصداً کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضا بھی لازم ہے اور کفارہ بھی، لیکن کسی مفتی نے اسے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا یا اسکو (وہ) حدیث معلوم ہوئی (جس سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم معلوم ہوتا ہے) اور اس پر اعتماد کر کے اس نے روزہ افطار کرلیا تو اب کفارہ واجب نہ ہوگا، امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے، البتہ امام ابو یوسف اس سے اختلاف فرماتے ہیں، اگر حدیث کی تاویل معلوم ہو تو کفارہ واجب ہوگا (ہدایہ) سرمہ لگانے یا بدن یا مونچھوں پر تیل لگانے کے بعد یہ گمان پیدا ہوا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور اب قصداً کچھ کھا پی لیا تو کفارہ دینا ہوگا لیکن وہ مسئلہ سے ناواقف تھا اور کسی نے روزہ ٹوٹنے کا فتویٰ دے دیا تو اب کفارہ لازم نہیں (قاضی خاں) مسافر زوال سے پہلے اپنی بستی میں آجائے، اور اس نے ابتک کچھ نہ کھایا ہو اور یہاں آکر روزے کی نیت کرلی اس کے بعد قصداً صحبت کی تو کفارہ نہیں آئے گا، اسی طرح اگر کسی پاگل آدمی کو زوال سے پہلے پہلے افاقہ ہو جائے، پھر اس نے روزے کی نیت کرلی (اس کے بعد صحبت کی تو اس کا حکم بھی یہی ہے (سراج الوہاج) صبح کے وقت تو روزے کی نیت تھی نہیں مگر زوال سے پہلے پہلے نیت کرلی اور پھر کچھ کھا لیا تو کفارہ نہیں آئے گا (کشف الکبیر) اور صحیح قول یہ ہے کہ کسی شخص نے روزہ توڑ دیا، پھر اتنا شدید بیمار پڑا کہ روزہ رکھ نہیں سکتا، تو احناف کے نزدیک کفارہ ساقط ہو جائیگا (قاضیخاں)

یہی قول زیادہ صحیح ہے (ظہیریہ) احناف کے یہاں اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کی کیفیت شام کے وقت ایسی ہو کہ وہ اگر صبح کے وقت ہوتی تو اسے روزہ توڑنا جائز ہوتا، ایسے شخص کے ذمے سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے (قاضی خاں) مسواک کرنے کے بعد اس گمان سے کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے اور قصداً کچھ کھا پی لیا تو قضا اور کفارہ دونوں چیزیں واجب ہوں گی (خلاصہ) غیبت کرنے کے بعد یہ خیال ہوا کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے پھر جان کر کچھ کھا لیا تو کفارہ واجب ہوگا، چاہے کسی مفتی نے اسے یہ فتویٰ دیا ہو کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا اسنے کسی حدیث کی تاویل کر لی ہو (بدائع) عام علماء کا قول یہی ہے (قاضی خاں)

کسی عورت نے جان کر روزہ توڑ دیا اور پھر اسی روز حیض آگیا یا بیمار ہو گئی تو روزہ کی قضاء کرے گی، کفارہ نہیں دینا پڑیگا، کسی شخص نے روزہ توڑ دیا اور پھر بے ہوش ہو گیا اس وقت بھی یہی حکم ہے (محیط سرخسی) ایک شخص نے خود کو مجروح کر لیا اور زخم کی وجہ سے روزہ کی قدرت نہیں رہی تو بعض فقہاء کے نزدیک کفارہ اس کے ذمے واجب ہوگا، یہی صحیح ہے (ظہیریہ) کسی جانور سے یا مردہ سے صحبت کر کے یہ خیال ہوا کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر قصداً کچھ کھا لیا تو اس کے ذمے کفارہ ہے جبکہ وہ مسئلہ جانتا ہو اور اگر مسئلہ نہیں جانتا تو صرف قضاء آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا، اگر اپنی انگلی پاخانے کے مقام میں اندر داخل کی یا کوئی (موتیوں کا) ہار نگل گیا اور اس کا سرا اسکے ہاتھ میں ہے پھر اس نے یہ سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور جان کر کچھ کھا لیا تب بھی یہی حکم ہے، اگر کسی حسین عورت کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، پھر قصداً کچھ کھا لیا تو اس کا حکم وہی ہے جو جوتے کے مسئلے میں بیان کیا گیا، اگر ایسا مردار کھایا جس میں کیڑے پڑ چکے تھے تو روزہ ٹوٹ جائیگا کفارہ نہیں آئے گا، اگر کیڑے نہیں پڑے تھے تو کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوں گے (قاضی خاں) اگر کوئی شخص رمضان میں قصاص کے طور پر قتل کیا جائے (اور وہ روزہ سے ہو) وہ کسی سے پانی مانگے اور وہ اسے پانی پلا دے، پھر اس واجب القتل شخص کا جرم معاف ہو گیا اور وہ قتل سے بچ گیا تو شیخ امام ظہیر الدین کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہوگا، اگر کسی نے قصداً اپنی مرضی سے دن میں یا رات کے وقت بیوی سے صحبت کی، پھر اسکو زبردستی حاکم نے سفر میں بھیج دیا تو ظاہر اصول کے مطابق اس کے ذمے سے کفارہ ساقط نہ ہوگا (ظہیریہ)

باب

ان مجبوریوں کا بیان جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے!

سفر روزہ نہ رکھنے کا عذر ہے شرعی سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے [1]، جس روز سفر شروع کیا ہے وہ دن (سفر میں شمار کر کے) روزہ نہ رکھنے کا عذر نہیں بن سکتا (غیاثیہ) لہٰذا کسی شخص نے دن میں سفر شروع کیا تو اس روز روزہ توڑنا جائز نہ ہوگا، اور توڑے گا تو کفارہ نہیں آئے گا، اگر پہلے روزہ توڑا، اسکے بعد سفر کیا تو کفارہ بھی دینا پڑیگا (محیط سرخسی) صبح کے وقت جان بوجھ کر کچھ کھایا پھر حاکم نے اسے جبراً سفر پر روانہ کر دیا، تو ظاہر روایت کے بموجب کفارہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور اگر اپنی مرضی سے سفر میں گیا تو پھر سب کے نزدیک کفارہ اسے دینا ہوگا (خلاصہ) رمضان میں سفر شروع کیا، پھر کسی بھولی ہوئی چیز کو لینے کیلئے گھر لوٹا اور اپنے یہاں کچھ کھایا پیا، اس کے بعد پھر سفر میں چلا گیا، تو قیاس یہ ہے کہ کفارہ واجب ہو، کیوں کہ اس کا سفر ختم ہو چکا تھا، فقیہ کہتے ہیں کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں (غیاثیہ)

روزہ نہ رکھنے کا ایک عذر بیماری ہے اگر جان کا اندیشہ ہو، یا کسی عضو کے بیکار ہونے کا خطرہ ہو تو سب کے نزدیک یہی حکم ہے کہ روزہ توڑ دینا چاہیئے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں جائے گی تب بھی حنف

[1] شرعی سفر کم از کم ۴۸ میل کا سفر کہلاتا ہے۔

کے نزدیک یہی حکم ہے، ہاں روزہ توڑنے کے بعد اس کی قضا لازم ہے (محیط) یہ بات بیمار خود اپنے اجتہاد سے معلوم کرے اور اجتہاد وہم کو نہیں کہتے بلکہ ظن غالب کسی ذریعے سے حاصل ہو جائے، کسی علامت سے یا اپنے تجربے سے، یا اس مسلمان معالج کے بتلانے سے جو کھلم کھلا فسق میں مبتلا نہ ہو (فتح القدیر) اگر تندرست آدمی کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے وہ بیمار ہو جائے گا تو وہ مریض ہی شمار ہوگا (تبیین) اگر روزہ کا دن وہم اور وہی بخار چڑھنے کا دن ہو اور بخار چڑھنے سے پہلے کچھ وہ کھالے تو اس میں کچھ حرج نہیں (فتح القدیر) اگر تیسرے دن بخار چڑھتا ہے اور دورہ والے روز اس خیال سے روزہ توڑ دیا کہ بخار چڑھا تو کمزوری ہو جائے گی (اور روزہ نہیں رکھ سکوں گا) پھر اسے بخار نہیں چڑھا تو اب کفارہ دینا ہوگا (خلاصہ)

روزہ نہ رکھنے کا ایک عذر، حاملہ ہونا، اور بچہ کو دودھ پلانا ہے

اگر عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ نہ رکھنے سے خود اس کو یا بچے کو نقصان پہنچے گا، تو روزہ توڑ دے، اس کی قضا کرے کفارہ نہیں آئے گا (خلاصہ)

حیض و نفاس بھی روزہ نہ رکھنے کا عذر ہے

کسی عورت کو حیض یا نفاس (کا خون) آرہا ہو تو روزہ نہ رکھے (ہدایہ) اگر یہ گمان تھا، کہ حیض آئے گا اور اس وجہ سے روزہ توڑ دیا مگر اس دن حیض نہیں آیا تو ظاہر تر بات یہی ہے کہ اس کو کفارہ دینا پڑے گا (ظہیریہ) رات کے وقت حیض ختم ہو گیا اور پاک ہو گئی جبکہ حیض پورے دس روز آیا ہو تو اب صبح کو اسے روزہ رکھنا چاہیئے اور اگر حیض دس دن سے کم آیا تو اس صورت میں کچھ تفصیل ہے، رات کو غسل کرنے کے بعد بھی رات کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا (اور سحر نہیں ہوئی تھی) تو روزہ رکھے، ہاں اگر غسل کرتے ہی صبح ہو گئی تو اب روزہ نہ رکھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دس روز سے کم مدت کا حیض آیا تو نہانے کا وقفہ بھی حیض ہی کی مدت میں شامل ہوگا (محیط سرخسی)

روزہ توڑنے کا ایک عذر بھوک اور پیاس ہے

بھوک اور پیاس کی شدت سے جان جانے کا خطرہ ہو یا ہوش و حواس گم ہونے کا خطرہ ہو، تو روزہ توڑا جا سکتا ہے (فتح القدیر)

روزہ نہ رکھنے کا ایک عذر بڑھاپا ہے

بڈھا پھونس آدمی (جسے اصطلاح میں شیخ فانی کہا جاتا ہے) اگر روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ ہاں ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا پڑے گا (ہدایہ) بوڑھی عورت کے لئے بھی یہی مسئلہ ہے (سراج الوہاج) شیخ فانی وہ کہلاتا ہے جس کا (طبعی) ضعف روز بروز بڑھتا جاتا ہو، حتیٰ کہ کمزور ہوتے ہوتے مرجائے (بحر الرائق) بوڑھا آدمی اپنے روزوں کا مذکورہ فدیہ چاہے شروع رمضان میں ایک بار دیدے اور چاہے تو آخر میں اکٹھا دیدے (النہر الفائق) اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے کی سکت ہو گئی تو فدیہ کا حکم باقی نہیں رہے گا، اب اس کے ذمے روزے رکھنے واجب ہیں (نہایہ) شیخ فانی کے ذمے قسم کے یا قتل کے سلسلے کے روزے واجب تھے اور وہ بڑھاپے کی وجہ سے یہ روزے رکھنے سے مجبور ہو گیا تو ان روزوں کے عوض کھانا کھلا دینا جائز نہیں، اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ روزہ جو بذات خود مستقل ہو، اور کسی دوسری شے (کے نتیجے میں یا اس) کا عوض نہ ہو اس روزہ کی ادائیگی سے آدمی عاجز آجائے تو اس کے بجائے کھانا دے سکتا ہے اور جو روزہ خود اصلاً واجب نہ ہو بلکہ کسی شے کے نتیجے میں واجب ہوا ہو اس کے بدلے میں کھانا نہیں دیا جا سکتا، خواہ اب آئندہ کے لئے بھی روزہ رکھنے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو، مثال کے طور پر قسم کے کفارے میں جو روزے رکھے جاتے ہیں ان کے عوض کھانا دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ خود دوسری چیز (یعنی قسم کا) بدل ہیں، ہاں کفارۂ ظہار اور رمضان کے کفارے کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی اس لئے اجازت ہے کہ اس فدیے کا ثبوت قرآن و حدیث میں صراحتاً موجود ہے (شرح طحاوی)

رمضان کے روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے نہ رکھ سکا اور اس آدمی کا اسی سفر یا اسی بیماری میں انتقال ہو جائے تو اس پر قضا لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر اس نے فوت شدہ روزے کے بدلے میں فدیے کی وصیت کی تو یہ وصیت صحیح ہوگی مگر (ورثاء کے ذمے) واجب نہیں، یہ وصیت اس کے تہائی مال میں سے پوری کی جائے، بیماری سے صحت پانے اور سفر سے واپسی کے بعد فوت شدہ روزوں کی قضا کرنے کا وقت اگر ملا تو ان روزوں کی قضا اس کے ذمے واجب ہے۔ اگر یہ قضا روزے نہیں رکھے اور مر جائے تو اس کو فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے (بدائع) اس کی جانب سے اس کا ولی ہر روزہ کے بدلے میں کسی مسکین آدمی کو ایک صاع چھوہارے یا جو دے، یا نصف صاع گیہوں دے (ہدایہ) اس شخص نے تو وصیت نہیں کی مگر وارث بطور احسان اور سلوک اس کی جانب سے فدیہ دے دے تو یہ جائز ہے لیکن اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی تو فدیہ ان کے ذمے واجب نہیں ہے (قاضی خاں) ولی مرنے والے کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا (تبیین) بیمار کو صحت ہوگئی اور مسافر نے سفر ختم کر کے قیام کر لیا اور اس کے بعد موت آگئی تو انہوں نے حالت صحت و قیام کی جتنی مدت پائی ہے اس کے بعد روزوں کی قضا واجب ہوگی، اس میں سب کا اتفاق ہے اور یہی صحیح ہے (سراج الوہاج) گذشتہ رمضان کے روزوں کی قضا نہیں کی تھی کہ اگلا رمضان آگیا تو اب اس سال کے رمضان کے روزے (پہلے) رکھے اور رمضان کے بعد پچھلے رمضان کی قضا کرے (نہر الفائق) احناف میں سے رازی کہتے ہیں کہ نفل روزہ کسی عذر کے بغیر توڑنا جائز نہیں ہے (کافی) یہی قول زیادہ صحیح ہے (محیط سرخسی) یہی ظاہر روایت ہے (نہر الفائق) امام ابو یوسف و محمد سے روایت ہے کہ (نفل روزہ توڑنے کیلئے) دعوت بھی ایک عذر ہے (کافی) فقہاء کہتے ہیں کہ اگر ایسے آدمی نے دعوت کی جو مدعو شخص کے اس کے مکان پر چلے جانے کو غنیمت سمجھے گا، اور کھانا نہ کھانے سے اس کو ملال نہ ہوگا تب تو روزہ نفل توڑنا نہیں چاہیے[۱]، اور اگر اس کے کھانا نہ کھانے کا اسکو رنج ہوگا تب روزے کو توڑ کر اس کی دعوت قبول کرے اور بعد میں اس کی قضاء کرے۔ شمس الائمہ حلوائی کہتے ہیں اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ اگر اپنی ذات پر آدمی کو یہ بھروسہ ہو کہ وہ پھر اس روزے کی قضا کر سکے گا تو ایک مسلمان بھائی کی خوشنودی کی خاطر روزہ توڑ دے اور اگر اپنے اوپر یہ بھروسہ نہیں کہ قضا کر سکے گا تو پھر روزہ نہ توڑے، اگرچہ اس صورت میں اس مسلمان بھائی کو رنج ہوگا، مگر یہ سب تفصیل اس وقت ہے جب زوال سے پہلے پہلے ایسی صورت در پیش ہو۔ زوال کے بعد کسی صورت میں روزہ توڑنا درست نہیں سوائے اس کے کہ یہ نفلی روزہ رکھنے میں والدین کی ناراضی ہو، صرف اس وقت زوال کے بعد توڑ سکتا ہے (محیط) دعوت میں مہمان کی طرح میزبان کے لئے (نفلی روزہ توڑنیکا) عذر ہے (شرح وقایہ) ہاں جو روزہ واجب ہو اس میں دعوت عذر نہیں (نہایۃ) اگر کسی پاگل شخص کو رمضان میں کچھ دن کیلئے صحت ہوگئی تو رمضان کے گذشتہ روزوں کی قضا لازم ہوگی، اگر پورے ماہ رمضان پاگل پن طاری رہا تو پھر قضا نہیں آئے گی، ظاہر روایت کے مطابق جنون خواہ بالغ ہونے سے پہلے ہو یا بعد میں دونوں میں کوئی فرق نہیں (محیط) رمضان میں زوال کے بعد شام کے وقت افاقہ ہو تو قضا واجب نہیں (کفایہ) (نہایہ) رمضان بھر بے ہوشی رہی تو سب کے نزدیک اس کی قضاء کرنی پڑے گی (معراج الدرایہ) اگر سورج ڈوبنے کے بعد بے ہوشی یا جنون طاری ہوا اور مسلسل کئی دن یہی کیفیت رہی تو اس رات کے بعد والے دن کا روزہ قضاء نہیں کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر اس نے اس دن کے روزے کی نیت کر لی تھی تو اس کا روزہ ہو ہی گیا، لیکن اگر یہ پتہ نہیں کہ نیت کی یا نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ نیت کی ہوگی اور جو حال ظاہر ہو اسی پر عمل کرنا واجب ہے، البتہ اگر مسافر ہو یا ایسا آدمی ہو جسے رمضان میں روزے رکھنے

---

[۱] حاکم کہتے ہیں کہ اگر خود اس شخص کو کھانے کی رغبت ہو، دعوت کرنے والے کو رنج ہو یا نہ ہو تب بھی نفلی روزہ توڑا جا سکتا ہے ابن الہمام نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

کی عادت نہیں تو اس کے ذمے اس صورت میں) قضا واجب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا جو ظاہری حال ہے وہ یہ ہی بتلاتا ہے کہ انھوں نے روزے کی نیت نہیں کی ہوگی (زاہدی) دشمن سے لڑنے والا مجاہد اگر رمضان میں محاذ جنگ پر ہو اور روزہ رکھنے میں اس کو یہ اندیشہ ہے کہ لڑائی کی قوت نہیں رہے گی تو وہ روزہ توڑ سکتا ہے (محیط سرخسی) اگر اتفاق سے لڑائی نہ ہو تو اس پر کفارہ نہیں آئے گا جنگ میں لڑنے کیلئے پہلے غذا کی ضرورت ہے، بیماری کا معاملہ اس سے مختلف ہے (ظہیریہ) کسی پیشہ ور کا پیشہ اس قسم کا ہے کہ اس میں لگنے سے اسے نقصان پہنچے گا اور روزہ توڑنا پڑے گا جبکہ وہ اپنی ضروریات کے لئے وہ پیشہ کرنے پر مجبور بھی ہو تو جب تک اسے وہ مرض لاحق نہ ہو اس وقت تک اسے روزہ توڑنا (اور روزہ نہ رکھنا) حرام ہے (قنیہ)

باب ۶

نذر کے مسائل

نذر کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان کے بغیر نذر صحیح نہیں ہو سکتی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی جو نذر مان رہا ہے شرعاً اس طرح کی اور اس جنس کی کوئی چیز اس پر واجب ہو، یہ ہی وجہ ہے کہ مریض کی عیادت کی نذر ماننا درست نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شے ذریعہ نہ ہو بلکہ شرعاً مقصود و مطلوب ہو، اسی لئے وضو کی اور سجدۂ تلاوت کی نذر صحیح نہیں ہوتی

تیسری شرط یہ ہے کہ خود وہ شے فوری طور پر یا کسی اور وقت اس کے ذمے واجب نہ ہو جیسے ظہر یا عصر کی نماز کی نذر مان لے یہ نذر صحیح نہیں ہے (نہایہ)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ فی نفسہ کوئی معصیت نہ ہو (بحر الرائق) اس لئے اگر کسی نے اللہ واسطے قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس روز روزہ نہ رکھے، اس کی قضا کرے (کیوں کہ قربانی کے دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے) یہ نذر اپنی جگہ صحیح ہوگی اسلئے کہ روزہ شریعت ہی کی مقرر کردہ ایک عبادت ہے اور (قربانی کے دنوں میں اس کی) ممانعت دوسرے (خارجی اور عارضی) سبب کی بنا پر ہے اور وہ سبب یہ کہ اس دن (مسلمانوں کو) اللہ ہی کی جانب سے کھانے کی دعوت دی گئی ہے، اس دن میں وہ اس دعوت کو قبول نہ کرے اور روزہ رکھ لے تو نذر کا واجب تو ادا ہو جائے گا (اگرچہ گنہگار ہوگا) (ہدایہ)

ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ کسی ناممکن اور محال چیز کی نذر نہ کرے جیسے کسی نے کل گذشتہ کے روزے کی نیت کی تو یہ صحیح نہ ہوگی (بحر الرائق) اگر یہ نذر کی کہ مجھے خدا واسطے اس دن کا روزہ رکھنا ہے جس دن فلاں شخص آئے گا تو وہ شخص اس دن ایسے وقت آیا جب وہ کھانا کھا چکا تھا یا نذر ماننے والی عورت کو حیض شروع ہو گیا تھا، اس صورت میں امام محمد کے قول کے مطابق اس پر کچھ واجب ہوگا (قاضیخان) یہ ہی مختار قول ہے (سراجیہ) اور اگر وہ آنے والا شخص زوال کے بعد پہنچا تو امام محمد کے قول کے مطابق اس کے ذمے کچھ لازم نہ ہوگا، اور اس میں ان کے علاوہ کسی دوسرے امام سے بھی کوئی روایت منقول نہیں ہے (خلاصہ) اگر یہ نذر کی کہ میں اس دن کا روزہ خدا کے واسطے رکھوں گا جس روز فلاں شخص آئے گا اور وہ شخص رات کے وقت پہنچا تو اس کے ذمے کچھ واجب ہوگا، اگر وہ شخص دن میں زوال سے پہلے آگیا اور اس نے ابتک کچھ کھایا پیا نہیں تو اب اسے روزہ رکھنا چاہئے (محیط) اگر یوں کہا میرے ذمے خدا واسطے یہ واجب ہے کہ جس روز فلاں آدمی آئے گا میں اس دن کا روزہ ہمیشہ رکھا کروں گا، وہ شخص اس دن ایسے وقت پہنچا کہ اس نے کھانا کھایا تھا تو اس روز کا روزہ اس پر واجب نہیں۔ ہاں آئندہ اس دن کا روزہ (ہر ہفتے) اس کے ذمے واجب ہوگا (سراج الوہاج)

(سراج الوہاج، محیط)، ایک شخص نے یہ نذر کرلی کہ جس روز فلاں آدمی آئے گا اس روز کا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، پھر ایک دوسری نذر یہ کرلی کہ جس روز فلاں آدمی صحتیاب ہوگا اس دن کا روزہ میں ہمیشہ رکھا کروں گا، اتفاق سے وہ شخص پہنچا جس کے آنے کی نذر کی تھی اسی روز مریض بھی صحتیاب ہوگیا تو اس کے ذمے ہمیشہ اس ایک دن کا روزہ رکھنا واجب ہے، اس سے زائد کسی اور دن کا واجب نہیں ہے (محیط) اگر یہ نذر کی کہ اللہ واسطے ایک دن کا روزہ رکھوں گا تو اس پر ایک دن کا روزہ واجب ہے، روزہ رکھنے کیلئے دن معین کرنے کا اسے اختیار ہے، جس دن چاہے رکھ لے، اس (مطلق نذر کے) روزہ کے سلسلے میں سب کے نزدیک اسے مہلت حاصل ہے، اگر یہ نذر کی کہ میں اللہ کے واسطے آدھے دن کا روزہ رکھوں گا تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی، اگر یہ نذر کی کہ میں اللہ واسطے دو یا تین دن یا دس دن کے روزے رکھوں گا تو اتنے ہی روزے اس کے ذمے واجب ہوں گے، چاہے کوئی وقت معین کرکے انھیں ادا کرلے، اسے یہ اختیار ہے کہ ایک ساتھ یہ روزے رکھے، چاہے الگ الگ رکھے، ہاں اگر نذر یہ کی تھی کہ مسلسل رکھے گا تو پھر سب اکٹھے ہی رکھنے پڑیں گے اگر مسلسل روزوں کی نیت کی تھی مگر بیچ میں ایک دن کا ناغہ کردیا، یا عورت کو حیض آگیا تو اب وہ سب روزے از سر نو رکھنے ہوں گے (سراج الوہاج)، نذر یہ کی تھی کہ الگ الگ روزے رکھنے ہیں مگر رکھ لئے سب ایک ساتھ تو یہ جائز ہے (قاضی خاں) اگر یہ نذر کی کہ خدا واسطے میں مسلسل دس دن کے روزے رکھوں گا، پھر اس نے پندرہ دن کے روزے رکھے البتہ بیچ میں ایک دن کا ناغہ ہوگیا اور یہ متعین نہیں ہوسکا کہ یہ ناغہ ان دس دن کے اندر ہوا یا ان آخری پانچ دنوں میں ہوا تو اب اسے چاہیئے کہ (پندرہ روزہ پورے ہونے ہی) مسلسل پانچ روزے مزید رکھ لے تاکہ دس روزوں کی گنتی پوری ہوجائے (ظہیریہ) اگر یہ نذر کی کہ اللہ واسطے ایک دن اور ایک دن کا روزہ رکھوں گا تو اس کے ذمے ایک ہی دن کا روزہ واجب ہوگا لیکن اگر اس کی نیت ان لفظوں سے ہمیشہ روزہ رکھنے کی ہو تو پھر اس کی نیت کے مطابق (روزہ) واجب ہوگا، اگر یہ نذر کی کہ اللہ واسطے مجھ پر روزہ رکھنا واجب ہے تو اسکے ذمے ایک دن کا روزہ واجب ہوگا، اگر یوں نذر کی کہ میرے ذمے صوم ایام واجب ہیں تو ۳ دن کے روزے اس پر واجب ہوں گے ہاں اگر (اس قول سے) اس نے زیادہ دن مراد لئے تو اتنے ہی دن کے روزے اس پر واجب ہوں گے، اگر یوں کہا کہ اللہ واسطے مجھ پر ایام کثیرہ کے روزے واجب ہیں اور کوئی (متعین) نیت نہیں کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے ذمے دس روزے واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک سات دن کے روزے (سراج الوہاج) اگر یوں کہا کہ اللہ واسطے مجھ پر صوم الایام واجب ہیں اور نیت کچھ کی نہیں تب بھی امام اعظم کے نزدیک اس پر دس دن کے روزے واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک سات دن کے (سراجیہ) اگر یوں کہا کہ دس دن اور کچھ دنوں کے روزے میرے اوپر اللہ واسطے واجب ہیں تو تیرہ[۱۳] دن کے روزے اس پر واجب ہوں گے[له] (فتح القدیر) اگر یوں کہا کہ اللہ واسطے مجھ پر اتنے اتنے دن کے روزے رکھنے واجب ہیں تو ۱۱ دن کے روزے اس پر واجب ہوں گے (قاضی خاں) اگر یہ کہا کہ اللہ واسطے مجھ پر ایک جمعہ کا روزہ واجب ہے تو سات دن کے روزے واجب ہوں گے لیکن اگر اس نے صرف اس جمعہ کے دن کی نیت کی تھی تو پھر اس ایک دن کا روزہ واجب ہے، جمعہ کی تعیین کا اسکو اختیار ہے (کہ کونسے جمعہ کو رکھے) (سراج الوہاج) اگر یہ کہا کہ مجھ پر جمعوں کے روزے رکھنے واجب ہیں تو امام اعظم کے نزدیک اس جمعہ کے روزے اسپر واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک عمر بھر میں جتنے جمعہ آئیں گے ان سب کے روزے اس پر واجب ہوجائیں گے[عله]

له وعله (اصل میں اس طرح کے مسائل اہل زبان کے طرز گفتگو اور محاورے سے تعلق رکھتے ہیں، اس بنا پر یہاں جو مسئلہ بیان کیا گیا وہ عربی زبان کے پیش نظر بیان کیا گیا ہے، یہ ضروری نہیں کہ اردو میں اس طرح کا جملہ بولا جائے تو اس کا حکم بھی اسی کے مطابق ہو۔

اگر یہ کہا کہ اس ماہ کے جمعوں کے روزے رکھوں گا تو اس ماہ کے تمام جمعوں کے روزے اس پر واجب ہوں لہ۔ شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے (ظہیریہ) اگر یوں کہا کہ خدا واسطے میرے ذمے جمعرات کا روزہ واجب ہے جو سب سے پہلی جمعرات آئے گی اس کا روزہ اس پر واجب ہوگا ہر جمعرات کا روزہ واجب نہیں لیکن اگر ہر جمعرات کی نیت کی تو پھر اس طرح (ہر جمعرات کا) روزہ واجب ہوگا۔ اگر یوں کہا کہ اللہ واسطے مجھ پر ہفتہ کے روز آٹھ روز کے روزے رکھنے واجب ہیں تو اس پر دو سنیچر کے روزے واجب ہوں گے۔ یا یوں کہا کہ مجھ پر بار کے دن سات روزے رکھنے خدا واسطے واجب ہیں تو اسے سات بار کے روزے رکھنے پڑیں گے کیوں کہ بار کا دن ہفتہ میں دو مرتبہ نہیں آتا۔ لہذا اس کی بات (ایام کی) گنتی پر محمول ہوگی جب کہ پہلی صورت اسکے برعکس ہے (سراج الوہاج) اگر یہ نذر کی کہ اس آئندہ جمعرات کو روزہ رکھے گا اور اس جمعرات کو روزہ نہ رکھا تو اس کی قضاء کرنی پڑے گی (محیط) اگر قضا کرنے میں دیر کردی یہاں تک کہ بہت بوڑھا ہوگیا یا یہ صورت تھی کہ دائمی روزے رکھنے کی نیت کی تھی پھر وہ بڑھاپے کی بدولت روزے نہ رکھ سکا یا شغلِ معاش کی وجہ سے مجبور ہوا جس میں شدید محنت کرنی پڑتی ہے، تو اب یہ روزہ نہ رکھے تو اس کی اجازت ہے۔ ہاں ہر روزے کے عوض ایک مسکین شخص کو کھانا کھلائے جیسا پہلے بیان کیا جاچکا۔ اگر اپنی ناداری کی وجہ سے کھانا کھلانے کی سکت نہیں تو اللہ سے معافی چاہے وہ غفور الرحیم ہے۔ اگر موسم سخت ہے، گرمی زیادہ ہے اور روزہ نہیں رکھ سکتا تو روزہ نہ رکھے اور موسم سرما کا انتظار کرے اس وقت قضا کرلے (فتح القدیر) اگر یہ صورت اس وقت ہوگی جب ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر نہ مانی ہو (خلاصہ) اگر ارادہ تو یہ تھا کہ اللہ واسطے ایک دن کا روزہ اس کے ذمے واجب ہے اور منہ سے یوں نکلا (دن کی جگہ) کہ ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو پھر اسے ہفتہ بھر کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے نذر کے مسئلے میں ارادہ اور غیر ارادہ (جو بھی الفاظ نکلیں) سب کا حکم ایک ہے۔ اگر یہ کہا کہ اللہ واسطے ایک ماہ کے روزے میرے اوپر واجب ہیں تو تیس دن کے روزے اس پر واجب ہو جائیں گے، یہ اسے اختیار ہے کہ روزوں کیلئے کسی ماہ کی بھی تعیین کرلے۔ نذر کرکے فوراً ان کا ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ تاخیر کرنے پر اس پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا (سراج الوہاج) اگر اس نے عربی میں لفظ شہر کے ساتھ الف لام استعمال کیا یعنی الشہر اس طرح کہا کہ لِلّٰہِ عَلَیَّ اَنْ اَصُوْمَ الشَّھْرَ تو اس کے ذمے اس ماہ کے بقیہ ایام کے روزے واجب ہوں گے۔ اور اگر اس نے اَلشَّھْرُ کے لفظ سے کوئی خاص مہینہ مراد لیا ہے تو پھر اس ماہ کے روزے اس پر واجب ہوں گے (محیط) اگر یہ کہا کہ خدا واسطے مجھ پر ایک ماہ کے روزے واجب ہیں تو اس کو مسلسل روزے رکھنے پڑیں گے۔ اگر مسلسل اور غیر مسلسل کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی تو پھر اسے اختیار ہے۔ اگر ایک ماہ کی تعیین کرلی تھی اور اس میں ایک روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضاء کرے پھر دوبارہ روزے رکھنا شروع نہ کرے۔ اگر اس ماہ میں کوئی روزہ نہیں رکھا تو چاہے الگ روزے رکھے یا مسلسل، اسکو اختیار ہے (زاہدی) اگر یہ کہا کہ خدا واسطے میرے ذمے ماہِ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے روزے رکھنے واجب ہیں اور قمری حساب سے ان مہینوں کے روزے رکھے، شوال کا مہینہ ۲۹ دن کا اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ ۳۰، ۳۰ دن کے ہوں تو اسے ۵ دن کے روزے رکھنے واجب ہوں گے۔ دو روزے ایام عید کے اور تین روزے ایام تشریق کے (عید الاضحیٰ کے باقی تین روز جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر پڑھی جاتی ہے) قاضی خاں، اگر یہ کہا کہ اللہ واسطے میرے ذمے تین ماہ کے روزے واجب ہیں اور ان روزوں کے واسطے ماہِ شوال

لہ یہاں بھی عربی زبان کے جمع کے قاعدے کی رعایت ہے اسی طرح الف لام کے استعمال سے اصول فقہ کے پیش نظر سب سے پہلے معہود چیز ہی مراد لینی چاہیئے۔ یہاں بھی عربی زبان ہی کے پیش نظر مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اردو کے جملوں سے حکم بدل سکتا ہے۔

ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی تعیین کر دی، ان میں سے ذی قعدہ اور ذی الحجہ ۳۰، ۳۰ دن کے ہوئے اور شوال ۲۹ کا تو اس کو چھ روزوں کی قضا کرنی پڑے گی (خلاصہ) اگر یہ کہا کہ رمضان ہی کی طرح ایک ماہ کے روزے مجھ پر واجب ہیں، رمضان کا ذکر مسلسل روزہ رکھنے کی نیت سے کیا ہے تو ایک ماہ کے مسلسل روزے اس پر واجب ہوں گے، اور اگر رمضان سے مراد ۳۰ دن کے روزے یعنی ان کی گنتی مراد ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری نیت نہیں ہے تو ۳۰ دن کے روزے واجب ہیں، خواہ ایک ساتھ ادا کرے یا الگ الگ (محیط) نوازل میں ہے کہ ہم نے اسی (قول) کو اختیار کیا ہے (تاتارخانیہ) اور اگر رمضان کی مثال سے مقصود صرف روزوں کا وجوب تھا تب بھی الگ الگ روزے رکھ سکتا ہے (قاضی خاں) اگر یہ کہا کہ خدا واسطے میرے ذمے اس سال کے روزے واجب ہیں تو عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے، بعد میں انہیں قضا کرے (ہدایہ) جبکہ یہ بات عید الفطر سے پہلے کہی ہو، اگر شوال میں یہ جملہ کہا تو عید الفطر کی قضا اس پر واجب نہیں، ایسے ہی اگر ایام تشریق گذرنے کے بعد یہ بات کہی تو اب اس کے ذمے دونوں عیدوں کے اور ایام تشریق کے روزے واجب نہ ہوں گے (فتح القدیر بحوالہ غایۃ البیان) اگر یہ کہا کہ ایک سال کے روزے خدا واسطے مجھ پر واجب ہیں اور اس سال کی کوئی تعیین نہیں کی تو قمری حساب سے ایک سال کے روزے رکھے اور اس کے بعد ۳۵ روزوں کی قضا کرے، ۳۰ روزے رمضان کے، ۲ عیدوں کے اور ۳ تشریق کے دنوں کے، اگر یہ کہا کہ میرے ذمے مسلسل ایک سال کے روزے واجب ہیں، وہ ایسی ہی بات ہے جیسے یوں کہے کہ خدا واسطے مجھ پر خاص اس سال کے روزے واجب ہیں، تو اس کو رمضان کی قضا نہیں کرنی پڑے گی، کیوں کہ سال بھر میں رمضان بھی داخل ہے (خلاصہ) کسی عورت نے کسی ایک مقررہ سال کے روزے رکھنے کی نذر کی تو اس سال کے روزے رکھنے کے بعد اس سال میں اس کے جتنے حیض کے ایام گذرے ان ایام کے روزے اس کو قضا کرنے پڑیں گے، کیوں کہ عورت پر کوئی سال ایسا بھی گذرتا ہے جس میں حیض نہیں آتا[1]، اس لئے سال بھر (کے روزوں کی نذر) کا وجوب درست ہے (قاضی خاں) اگر یہ کہا کہ خدا واسطے مجھ پر صوم دہر واجب ہے تو ۶ ماہ کے روزے واجب ہو جائیں گے اور اگر صوم الدہر کہا تو عمر بھر کے روزے واجب ہوں گے[2] (قاضی خاں) روزے کی نذر مانی اور اس کو کسی شرط پر معلق کر دیا تو اس شرط کے وجود سے پہلے اس نذر کی ادائیگی بالاتفاق جائز نہیں[3]، اگر کسی معینہ ماہ کے روزوں کی نذر کی جیسے رجب کے روزے رکھنے کی اور اس سے پہلے مثلاً ربیع الاوّل میں رکھ لئے تو یہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، امام اعظم کا قول بھی یہ ہی ہے، البتہ امام محمد رح کے قول میں یہ جائز نہیں (محیط) اگر یہ کہا کہ مجھے معافی مل جائے گی، تو اتنے روزے مجھے رکھنے ہیں تو جبتک یہ نہ کہے کہ یہ روزے میں خدا واسطے اپنے اوپر واجب کرتا ہوں اس وقت تک ان روزوں کا وجوب نہ ہوگا، قیاس کے تحت تو حکم یہ ہی ہے، ہاں استحسان کی رو سے روزے واجب ہو جائیں گے، اگر نذر کو کسی چیز پر موقوف نہیں کیا تو روزے واجب نہیں ہوں گے، نہ قیاس کے مطابق نہ استحسان کے قاعدے سے (ظہیریہ) ایک ماہ کے روزے اپنے ذمے واجب کئے اور ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، تو اس پر ایک ماہ کے روزے واجب ہو گئے، اس کے لئے ان روزوں کے بارے میں وصیت کرنی ضروری ہے کہ ہر روزے کے عوض نصف صاع گیہوں فدیے میں دئے جائیں چاہے ان روزوں کے لئے

---

[1] جیسے وہ عورت جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا وہ عورت جو بچے کو دودھ پلاتی ہے [2] یہاں بھی عربی زبان کا ایک خاص قاعدہ مراد ہے الف لام کے ساتھ لفظ دہر کہا تو اس کا حکم دوسرا ہے اور بغیر الف لام کے دوسرا، [3] مثلاً یہ کہا کہ میرے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو اتنے روزے رکھوں گا، تو لڑکے کی پیدائش سے قبل یہ نذر ادا نہ ہوگی۔

کوئی مہینہ مخصوص کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یہ مسئلہ اعتکاف کے باب میں آرہا ہے

اگر مریض یہ کہے کہ خدا واسطے مجھ پر ایک ماہ کے روزے واجب ہیں اور اسی مرض میں انتقال ہو گیا تو اس کے ذمے کوئی روزہ واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایک دن کے لئے بھی اسے صحت ہو گئی تو اس کو ایک ماہ کے روزوں کا فدیہ دینے کی وصیت کرنی واجب ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ جتنے دن وہ تندرست رہا اتنے دن کا فدیہ دینے کی وصیت واجب ہوگی (خلاصہ) اگر یہ کہا کہ مجھ پر مہینے کے شروع اور آخر میں مسلسل دو دن کے روزے رکھنے واجب ہیں تو اس پر پندرہ اور سولہ تاریخ کا روزہ واجب ہوگا (قاضیخاں) اگر یہ کہا کہ خدا واسطے مجھ پر ماہ رجب کے روزے واجب ہیں، اس کے بعد کفارۂ ظہار ادا کرنے کیلئے دو ماہ کے روزے مسلسل رکھے اور اس میں ماہ رجب بھی شامل تھا، تو یہ صحیح ہے، اب اس پر (اپنی نذر کی وجہ سے) ماہ رجب کے روزوں کی قضا واجب ہوگی، یہی (قول) زیادہ صحیح ہے (ظہیریہ)

باب۷

اعتکاف کے احکام

اعتکاف کے سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اعتکاف کسے کہتے ہیں، اس کی کتنی قسمیں ہیں، اس کے ارکان و شرائط اور آداب کیا ہیں کن چیزوں سے اعتکاف فاسد اور کن چیزوں سے مکروہ ہوتا ہے

اعتکاف کی تعریف اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا ہے (نہایہ) اس کی ۳ قسمیں ہیں، ایک اعتکاف واجب ہے، اور وہ نذر والا اعتکاف ہے چاہے وہ نذر کسی شرط کے ساتھ ہو یا نہ ہو، دوسرا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، وہ رمضان کے آخری عشرے کا یعنی تیسری دہائی کا اعتکاف ہے، ان دو کے علاوہ اعتکاف، اعتکاف مستحب ہے (فتح القدیر) اس کے شرائط بہت ہیں۔

اعتکاف کی شرطیں پہلی شرط مسجد جماعت ہے، جس میں اذان و اقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف جائز ہے، یہی صحیح ہے (خلاصہ) سب سے افضل جگہ اعتکاف کے لئے مسجد حرام ہے، اس کے بعد مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ پھر جامع مسجد، پھر وہ مسجد جہاں جماعت میں آدمی زیادہ ہوتے ہوں (تبیین) عورت کے لئے اعتکاف کی جگہ وہی ہے جہاں وہ اپنے گھر میں روزانہ نماز پڑھتی ہے (اور وہ جگہ صرف نماز ہی کے لئے مخصوص ہے) اس کے لئے اس جگہ کا اعتکاف ویسا ہی ہے جیسا مرد کا مسجد جماعت میں اعتکاف، وہاں سے صرف ضروریات کیلئے نکلے، دوسرے وقت میں اس جگہ سے باہر نہ آئے (شرح مبسوط سرخسی) عورت کے لئے مسجد جماعت میں اعتکاف جائز تو ہوگا مگر مکروہ ہے (محیط سرخسی) پہلی صورت اس کے لئے افضل ہے، اس کے لئے بڑی مسجد کی بہ نسبت محلہ کی مسجد افضل ہے، عورت اپنے گھر میں نماز کی مخصوص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ بھی اعتکاف کر سکتی ہے (تبیین) اگر گھر میں نماز کے لئے کوئی متعین جگہ نہیں تو کوئی ایک گوشہ نماز کیلئے مخصوص کر کے ایسی جگہ اعتکاف کرلے (زاہدی)

اعتکاف کی تیسری شرط روزہ ہے، مگر یہ شرط اعتکاف واجب میں تو سب کے نزدیک ایک روایت کے بموجب لازم ہے اور امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے، صاحبین کا قول بھی یہی ہے، اعتکاف کی کم از کم مدت کی ظاہر روایت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے، حتیٰ کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے نیت کرلی کہ جتنی دیر مسجد میں رہوں گا معتکف رہوں گا، تو یہ صحیح ہے (تبیین) ایک رات کے اعتکاف کی نذر کی یا دن کے اعتکاف کی نذر جبکہ دن میں کچھ کھا پی چکا ہے تو یہ نذر صحیح نہیں ہے اگر یہ کہا کہ خدا واسطے ایک ماہ تک بلا روزوں کا اعتکاف مجھ پر واجب ہے تو اس پر اعتکاف مع روزوں کے واجب ہوگا (ظہیریہ)

نذر کیلئے یہ شرط ہے کہ روزہ کسی قسم کا ہو، خاص اعتکاف کی نیت سے روزہ رکھنا شرط نہیں جیسے کسی نے رمضان کے اعتکاف کی نذر کی، تو یہ نذر صحیح ہوگی (ذخیرہ) اگر اس نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہیں کیا تو اب اس پر اس کی قضا میں ایک ماہ کا اعتکاف واجب ہوگا اور اس میں روزے رکھنے ہوں گے (محیط) اگر کسی مہینے میں اس اعتکاف کی قضا نہیں کی اور دوسرا رمضان شروع ہوگیا تو اس رمضان میں اعتکاف اگر وہ کرے گا تو نذر ادا نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ روزے جو وقت پر ادا نہیں ہوئے، اب اس کے ذمے واجب اور مقصود بالذات قرار پائے اور مقصود بالذات شے دوسری شے سے ادا نہیں ہوتی۔ جیسے کسی اور ماہ کے اعتکاف کی نذر کی، مگر اس کی بجائے رمضان میں اعتکاف کیا تو نذر ادا نہ ہوگی، اعتکاف کے اندر روزہ توڑ دیا اس کے بعد ایک ماہ کے روزے قضاء کئے اور ساتھ میں اعتکاف بھی کیا تو یہ جائز ہے کیوں کہ قضاء ادا کے مطابق واقع ہوگئی (محیط سرخسی، خلاصہ)

صبح کے وقت نفلی روزہ تھا، پھر کچھ دیر کے بعد اس نے یہ کہا کہ اللہ واسطے میرے ذمے آج کے روزے کا اعتکاف واجب ہے تو امام ابوحنیفہ کے قول کی روشنی میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اعتکاف صحیح نہیں کیوں کہ اعتکاف واجب اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک روزہ واجب نہ ہو اور صبح کے وقت اس کا روزہ نفل تھا اسلئے اب واجب ادا نہیں ہو سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو، ہوش و حواس ہوں، جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہو کہ غیر مسلم کے اندر عبادت کی اہلیت نہیں پاگل آدمی میں نیت کی اہلیت نہیں، جنابت اور حیض و نفاس میں مسجد میں داخلہ ممنوع ہے، اعتکافِ صحیح کے لئے بلوغ شرط نہیں اسلئے سمجھ دار لڑکا اعتکاف کرے تو اس کا اعتکاف درست ہے، مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں، عورت کا شوہر کی اجازت سے، اور غلام کا مالک کی اجازت سے اعتکاف کرنا صحیح ہے (بدائع) عورت کو اجازتِ اعتکاف دینے کے بعد پھر شوہر کو روکنے کا اختیار نہیں مالک اگر غلام کو اعتکاف کی اجازت دے اور پھر اعتکاف سے روک دے تو اب غلام اعتکاف نہ کرے اگرچہ مالک اس ممانعت کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہوگا، مکاتب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرے مالک اسے منع نہیں کر سکتا (قاضیخاں) عورت اعتکاف کی نذر کرے تو شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اسکو روکدے ایسے ہی غلام اور باندی اعتکاف کی نذر کریں تو مالک کو منع کرنے کا حق ہے (محیط) ہاں جب عورت مرد کے نکاح سے نکل آئے (وہ مرجائے یا طلاق دیدے) اور غلام آزاد ہوجائے تب اس نذرِ اعتکاف کی قضاء کریں (فتح القدیر) منتقی میں صراحت ہے کہ اگر کسی عورت کا مہینہ بھر مسلسل اعتکاف کرنے کا ارادہ ہوا اور شوہر نے اسکی اجازت دے دی تو مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اسکو تھوڑا تھوڑا اعتکاف کرنے کے لئے کہے اگر اس نے ایک مقررہ ماہ کے اعتکاف کی اجازت دی اور بیوی نے مسلسل ایک ماہ کے اعتکاف کا ارادہ کرلیا تو اب وہ منع نہیں کر سکتا (محیط سرخسی)

اعتکاف کے آداب

اعتکاف میں خیر اور بھلائی ہی کی باتیں کرنی چاہئیں، رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا اہتمام کیا جانا ہے جو مسجد افضل ہو اس میں اعتکاف کرے، مسجد حرام (مسجد نبوی) اور جامع مسجد (سراج الوہاج) اعتکاف کے اندر قرآن کی تلاوت، حدیث کا ذکر، علوم دین، سیرت انبیاء، تذکرۂ صلحاء اور دین کی باتیں کرنے، لکھنے اور پڑھنے کا شغل رکھے (فتح القدیر) جن باتوں میں کوئی گناہ نہیں ان کی بھی اجازت ہے (شرح طحاوی)

اعتکاف کے فوائد و فضائل

جو شخص اعتکاف کرتا ہے وہ اپنے آپ کو قربِ الٰہی کے حصول کی خاطر بالکلیہ اللہ کی بندگی میں لگا رہتا ہے اور ان دنیوی مشاغل سے اپنی ذات کو بالکل یکسو کر لیتا ہے جو اسے اللہ سے دور کرنے والے ہوں، اعتکاف کرنیوالے کا پورا وقت نمازہی میں صرف ہوتا ہے، کیونکہ وہ یا تو حقیقتاً نوافل اور نماز میں مشغول ہوتا ہے یا پھر نماز کے انتظار میں[1]

[1] حدیث میں آیا ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والے کو نمازی کا سا ثواب ملتا ہے۔

رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف دراصل شریعت نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہے کہ آدمی نماز باجماعت کے انتظار میں وقت گذارے اور اعتکاف کرنے والے کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی حالت کے اعتبار سے ان کے مشابہ ہوجاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اس میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہی حکم وہ بجا لاتے ہیں اور ان کا درجہ ایسا ہوجاتا ہے جیسا ان لوگوں کا جن کے بارے میں فرمایا گیا يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ وہ دن رات اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں[ل] اعتکاف کی ایک شرط خوبی یہ ہے کہ اس کے لئے روزہ شرط ہے اور روزہ دار اللہ کا مہمان ہوتا ہے (عنایۃ)

کن باتوں سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے

(بلاضرورت، دن یا رات کو مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف باقی نہیں رہتا، ہاں کسی عذر کی بنا پر مسجد سے باہر آئے تو کچھ حرج نہیں، اگر ایک گھڑی بھر کے لئے بھی مسجد سے بلا عذر باہر نکل آیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا (محیط)، چاہے جان بوجھ کر باہر آیا ہو یا بھولے سے (قاضی خاں) عورت کو اپنے گھر کی مقررہ جگہ سے (جس میں وہ اعتکاف کررہی ہے) اٹھ کر دوسری جگہ (بلاضرورت) نہیں جانا چاہیئے (محیط سرخسی) کوئی عورت مسجد میں اعتکاف کررہی تھی، اسی حالت میں شوہر نے طلاق دیدی تو اسے اپنے گھر آجانا چاہیئے اور اپنے مسجد والے اعتکاف پر[ع] بنا کرکے بقیہ اعتکاف اپنے گھر میں پورا کرلے

باہر نکلنے کے عذر

پیشاب، پاخانہ اور جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا، رفع حاجت کے لئے اگر (اپنے) گھر میں آئے تو کوئی حرج نہیں اور وضو کرتے ہی مسجد میں آجائے، اگر گھڑی بھر کے لئے (زائد از ضرورت) گھر میں ٹھیر گیا، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا (محیط)، اگر مسجد کے پاس کسی دوست کا مکان ہو تو معتکف کیلئے اپنا گھر چھوڑ کر وہاں جانا ضروری نہیں، اگر اس معتکف کے دو مکان ہوں، ایک مسجد کے پاس ہو اور دوسرا دور ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک دور والے مکان میں رفع حاجت کے لئے جانے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا (سراج الوہاج) جب کسی ضرورت سے معتکف باہر نکلے تو آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے (نہایہ، عنایہ) اعتکاف کی جگہ ہی میں کھائے پیئے اور وہیں سوئے، کیوں کہ یہ کام مسجد میں جائز ہیں، ان کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں (ہدایہ) جمعہ کی نماز کے لئے اس وقت نکلے جب سورج ڈھل جائے اور زوال کا وقت ہوجائے جبکہ اس کی مسجد جامع مسجد سے اتنی دور ہو کہ زوال کے وقت چل کر اسے خطبہ اور جمعہ مل جائے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ جمعہ نہیں ملے گا، تو زوال کا انتظار کرے مگر اس وقت چلے جب جامع مسجد پہنچ کر خطبے کی اذان سے پہلے چار رکعت سنت پڑھ سکے، جمعہ کے بعد چار یا چھ رکعت نماز کے بقدر وہاں ٹھیر سکتا ہے (کافی) اگر ایک رات اور ایک دن وہیں ٹھیرا رہا یا بقیہ اعتکاف وہیں پورا کرلیا تو اعتکاف ٹوٹے گا تو نہیں مگر یہ مکروہ ہے (سراج الوہاج) اگر کسی عذر (اور مجبوری) کے تحت مسجد سے نکل آیا جیسے مسجد گر پڑی، یا کسی نے زبردستی باہر نکال دیا اور فوراً وہ دوسری مسجد میں چلا گیا تو استحسان کی رو سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا (بدائع) اگر اپنی جان یا مال کے خوف سے باہر نکل آئے تو اس کا بھی یہی حکم ہے (تبیین) اگر پیشاب، پاخانے کی ضرورت سے باہر آیا تھا اور ساہوکار نے (جس سے قرض لیا تھا) راستے میں گھڑی بھر کے لئے روک لیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا، امام محمد اور

ل یعنی اعتکاف واجب کے لئے ع یعنی جو اعتکاف اس نے مسجد میں شروع کیا تھا وہ ختم نہیں ہوا، جتنا حصہ مسجد میں اعتکاف کا پورا کرچکی وہ صحیح ہے، اب طلاق کے عذر کی بنا پر بقیہ اعتکاف گھر میں پورا کرلے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا، امام سرخسی کہتے ہیں کہ صاحبین کے قول میں مسلمانوں کے لئے زیادہ سہولت ہے (خلاصہ) مریض کی عیادت کیلئے نکلنا بھی درست نہیں (بحر الرائق) جنازہ کے لئے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اگر جنازہ کی نماز کے لئے مسجد سے باہر آیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اگرچہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی نماز پڑھانے والا نہ ہو، کسی ڈوبتے یا جلتے ہوئے آدمی کو بچانے کیلئے مسجد سے باہر آگیا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، گواہی دینے کیلئے یا جہاد کے لئے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا جبکہ جہاد کیلئے عام منادی اور طلب ہو (تبیین) اگر بیماری کی وجہ سے گھڑی بھر کو باہر آیا تو اعتکاف ختم ہو جائے گا (ظہیریہ) ہاں اگر اعتکاف کی نذر کرتے وقت یہ شرط بھی کی تھی کہ مریض کی عیادت کو، جنازے کی نماز کو اور علمی مجلس میں (اعتکاف سے اٹھکر) جائے گا تو اس صورت میں اعتکاف نہیں ٹوٹے گا (تاتارخانیہ بحوالہ حجۃ) جس منارے پر اذان دی جاتی ہے اس پر چڑھنے سے بالاتفاق اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ منارے کا دروازہ مسجد سے باہر ہو (بدائع) مؤذن اور غیر مؤذن دونوں کا حکم ایک ہے، یہ ہی صحیح ہے (خلاصہ، قاضی خاں) (حالتِ اعتکاف میں) معتکف اگر اپنا سر مسجد سے باہر کرے تاکہ اس کا کوئی گھر والا (بیوی یا لڑکی) اس کا سر دھودے تو اس میں کچھ حرج نہیں (تاتارخانیہ) یہ جملہ احکام و مسائل اعتکافِ واجب کے متعلق ہیں، نفلی اعتکاف میں عذر سے یا بلا عذر نکلنے میں کچھ حرج نہیں (شرح نقایہ للشیخ ابی المکارم) بیوی سے صحبت اور اس کے جو لوازم ہیں وہ سب اعتکاف کی حالت میں حرام اور ممنوع ہیں، لوازم جیسے بوسہ، لپٹنا چمٹنا، مساس کرنا، معانقہ اور صحبت جو اوپر اوپر ہو، اس کے بارے میں دن رات کا ایک ہی حکم ہے، صحبت خواہ قصداً کی جائے یا بھولے سے، دن میں ہو یا رات میں بہرحال اعتکاف کو ختم کر دیتی ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو، ہاں جو چیزیں جماع کے مقدمات ہیں ان سے اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں (بدائع) اگر محض تخیل اور تصور سے یا کوئی شہوت انگیز صورت دیکھکر انزال ہو جائے تب بھی اعتکاف نہیں ٹوٹتا (تبیین) احتلام کا حکم بھی یہی ہے (فتح القدیر) مسجد میں غسل کرنے سے اگر مسجد گندی نہ ہو تو وہاں نہانے میں کچھ حرج نہیں ورنہ مسجد سے باہر جاکر غسل کرے اور غسل کرکے مسجد میں آجائے مسجد کے اندر کسی برتن میں وضو کرنے کا حکم بھی یہی ہے (بدائع، قاضی خاں)

اعتکاف کو توڑنے والی چیز بے ہوشی اور جنون ہے، صرف بے ہوشی سے یا جنون سے کسی کے نزدیک اعتکاف نہیں ٹوٹتا، تاوقتیکہ اس کا تسلسل ختم نہ ہو جائے، کئی روز تک بے ہوشی یا جنون کا اثر طاری رہنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، صحتیابی کے بعد از سر نو اعتکاف کرنا اس پر واجب ہے، کئی سال تک جنون رہا اور پھر صحت ہوئی تو اب اعتکاف کی قضا اس پر واجب ہوگی (بدائع) اگر حواس خراب ہوگئے اور کئی سال بعد اسے صحت ہوئی تو اس اعتکاف کی قضا ر واجب ہے (قاضی خاں)

اعتکاف میں چند باتیں ممنوع ہیں، ان میں سے وہ خاموشی بھی ہے جس کو عبادت سمجھ کر آدمی اختیار کرے اور یہ مکروہ ہے (تبیین) عبادت نہ سمجھے تو مکروہ نہیں (بحر الرائق) زبان کے گناہوں سے بچنے کیلئے خاموشی اختیار کرنا بہت بڑی عبادت ہے (جوہرہ نیرہ) گالی دینے سے اور لڑنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، اعتکاف میں بھولے سے کچھ کھا پی لے تو کچھ حرج نہیں کیوں کہ کھانا پینا تو روزہ کی وجہ سے ممنوع ہے، اعتکاف کی وجہ سے نہیں (نہایہ) اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو چیزیں روزے کی وجہ سے ممنوع نہ ہوں بلکہ اعتکاف کی وجہ سے ممنوع ہوں ان کا حکم ہر حالت میں ایک ہی رہے گا خواہ دن ہو یا رات، ان میں ارادے کو دخل ہو یا بھول کو جیسے صحبت یا مسجد سے بلا ضرورت باہر آنا اور جن چیزوں کی حرمت روزے کی وجہ سے ہوتی ہے تو ان میں دن کا، اور جان بوجھ کر کرنے کا حکم دوسرا ہے اور رات کا اور بھول کا حکم دوسرا، جیسے کھانا پینا (بدائع) اعتکاف میں کھانے کا اور ضرورت کی چیزوں کا مول تول جائز ہے، ہاں تجارت کی نیت سے مول تول کرنا مکروہ ہے (قاضی خاں، ذخیرہ) یہ ہی صحیح ہے (تبیین) اعتکاف میں نکاح

کرنا اور طلاق سے رجوع کرنا جائز ہے (جوہرہ نیرہ) کپڑے پہننے، خوشبو لگانا اور سر میں تیل لگانا جائز ہے (خلاصہ) رات کے وقت معتکف نشہ آور چیز کھائے تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ وہ شریعت میں تو حرام ہے مگر اعتکاف کے ممنوعات میں سے نہیں، کسی غیر کا مال ناجائز طور پر کھانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا (قاضی خاں) جب واجب اعتکاف ٹوٹ جائے تو اس کی قضا واجب ہے، اگر اعتکاف کیلئے کوئی مہینہ مخصوص کیا تھا، اس میں اس نے ایک روزہ توڑ دیا تو اس دن کی قضا کرے، اگر مہینہ مخصوص نہیں کیا تھا تو از سرِ نو اعتکاف کرنا چاہیئے، اس نے اپنا اعتکاف بلا عذر اپنے کسی فعل سے توڑا ہو جیسے صحبت، مسجد سے نکل جانا، یا دن میں کچھ کھالینا، یا کسی عذر کی بنا پر اعتکاف توڑا ہو جیسے بیماری کی بنا پر مسجد سے نکلنا پڑا، یا پھر اپنے کسی فعل سے اعتکاف ٹوٹ گیا جیسے حیض، جنون اور کئی دن کی بے ہوشی۔

اعتکاف سے متعلق دیگر مسائل

جو شخص اعتکافِ واجب کا ارادہ رکھتا ہو اسے زبان سے بھی نیتِ اعتکاف کہنی چاہیئے، صرف دل میں نیت کر لینا وجوب اعتکاف کے لئے کافی نہیں (شمس الائمہ حلوائی، نہایہ، خلاصہ، اس ذیل میں دو اصولی باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں، ایک یہ کہ (عربی زبان کے لحاظ سے) "ایام" کا لفظ جب تثنیہ یا جمع کی صورت میں ذکر کیا جائے تو اس وقت دن کے ساتھ ساتھ راتیں بھی شامل ہوں گی، ایسے ہی "لیالی" کا لفظ جب تثنیہ یا جمع کی حیثیت سے آئے تو راتوں کے ساتھ دن بھی مراد ہوں گے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب ان الفاظ کے ساتھ کوئی نیت نہ کی ہو، اگر مخصوص دنوں کی یا مخصوص راتوں کی نیت کی تو یہ صحیح ہے، اگر ایام کی نیت کی ہے تو دن کا اعتکاف لازم ہوگا نہ کہ رات کا، اور رات کے وقت اعتکاف اس پر واجب نہ ہوگا (بدائع) ہاں ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی تو اس میں رات شامل ہوگی (فتح القدیر)

دوسرا اصولی قاعدہ یہ ہے کہ چوں کہ اس طرح اعتکاف کے واجب ہونے کی صورت میں رات کا اعتکاف اس پر لازم نہیں ہے اس لئے وہ اعتکاف کو کئی حصوں میں تقسیم کر سکتا ہے اور جب اعتکاف میں دن اور رات دونوں شامل ہوں تو پھر مسلسل اعتکاف واجب ہے۔ (بدائع) کسی شخص نے کسی مخصوص مہینے کی یا غیر مخصوص ماہ کی یا تیس دن کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کو مسلسل اعتکاف واجب ہوگا، مہینہ کی نیت کی مگر معین نہیں کیا تو جس ماہ میں چاہے اعتکاف کرلے (ظہیریہ) اعتکاف کے اندر جب رات اور دن دونوں شامل ہوں، تو اس وقت اعتکاف رات سے شروع کیا جائے گا، کیوں کہ اصولاً ہر رات آنے والے دن کی ماتحت ہوتی ہے (قاضی) کسی شخص نے یہ کہا کہ خدا واسطے میرے ذمے دو روز کا اعتکاف واجب ہے تو اس کو سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہو جانا چاہیئے، اس رات کو، اگلے دن، اگلی رات اور دوسرے دن (مغرب کے وقت تک) وہیں ٹھیرا رہے اور سورج ڈوبنے کے بعد مسجد سے باہر آئے، ایسے ہی بہت روز کے اعتکاف کی نذر کی تب بھی سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں چلا جائے (قاضی خاں) عید کے روز اعتکاف کی نذر کی تو دوسرے وقت میں اس اعتکاف کی قضا کرے [1]، قسم کی نیت کرنے سے قسم کا کفارہ واجب ہوگا (یعنی قسم کھا کر عید کے دن اعتکاف کی نذر کی تھی) اگر اسی روز اعتکاف کیا تو اعتکاف ادا ہو جائے گا اگرچہ اسکو اس کا گناہ ہوگا (خلاصہ) کسی نے اعتکافِ واجب کی نیت کی تھی اور اعتکاف سے باہر (بلا ضرورت) نکل آیا تو اس کے ذمے کوئی چیز لازم نہیں (ظہیریہ) کسی ماہ مخصوص یا معین دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس وقت سے پہلے اعتکاف کر لیا یا مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر کی تھی اور کسی اور مسجد میں کر لیا تو جائز ہے (بحر الرائق) ماہ گذشتہ کے اعتکاف کی نذر درست نہ ہوگی (بحر الرائق باب النذر بالصوم) ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر کرنے کے بعد کوئی شخص نعوذ باللہ اسلام سے پھر گیا اور اس کے بعد اسے توفیق ہوئی اور وہ (دوبارہ) اسلام لے آیا تو اب اس کے

---

[1] چوں کہ اعتکاف کی نذر کے ساتھ روزہ بھی واجب ہے اور عید کے روز روزہ رکھنا صحیح نہیں۔

ذمے کوئی چیز (از قسم نذر وغیرہ) واجب الادا نہیں ہوگی (محیط سرخسی) مہینہ بھر کے اعتکاف کی نذر کرنے کے بعد انتقال ہوگیا، تو ہر دن کے عوض ایک صاع چھوہارے یا جو اور اگر موجود ہوں تو نصف صاع گیہوں دینے چاہئیں، جبکہ اس مرنے والے نے اس کی وصیت بھی کی ہو (سراجیہ) اس کو وصیت کرنا واجب ہے (بدائع) اس نے تو وصیت نہیں کی تھی مگر وارث راضی ہیں تو روزوں کا عوض ادا کرنا جائز ہے۔ اگر بیماری کے اندر مہینے بھر کے اعتکاف کی نذر مانی، اس بیماری سے اس کو صحت نہیں ہوئی اور اسی میں مرجائے تو اس پر کچھ واجب نہیں، ہاں اگر ایک دن کو طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی اس کے بعد انتقال ہوگیا تو اب سارے مہینے کے روزوں کا فدیہ دیا جائے گا (سراجیہ)

متفرق مسائل

ایک شخص نے ۱۳۸۰ھ میں رمضان کے روزے نہیں رکھے اور قضاء کی نیت سے بعد میں ایک ماہ کے روزے رکھ لئے اور اسے یہ خیال رہا کہ میرے ۱۳۸۱ھ کے روزے چھوٹ گئے تو یہ صورت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہوگی لیکن اگر نیت یہ کی کہ ۱۳۸۱ھ کے رمضان کے روزوں کی قضاء رکھ رہا ہوں، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہ ہوگا (ظہیریہ، باب النیۃ، قاضی خاں) کوئی غیر مسلم دارالحرب میں اسلام لایا اور رمضان کے روزوں کی فرضیت کا علم اس کو رمضان گذرنے کے بعد ہوا تو اب اس پر قضا واجب ہوگی، اگر رمضان کے مہینے میں اسے اس فرضیت کا علم ہوا تو اس صورت میں جو اک پاگل شخص کا حکم ہے وہی اس کا ہے (زاہدی) جو شخص دارالسلام میں مسلمان ہو تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد رمضان کی جتنی مدت گذری ہے، اس کی قضا اس پر واجب ہوگی، چاہے اسے روزے کی فرضیت کا علم ہو یا نہ ہو (قاضی خاں، فصل رویت الہلال) زوال سے قبل کوئی شخص اسلام لایا اور اس نے اب تک کچھ کھایا پیا نہیں اور وہ نفلی روزہ رکھ لے تو ظاہر روایت کی رو سے اس کا روزہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس شخص میں صبح کے وقت روزہ رکھنے کی اہلیت نہیں تھی اور روزہ درحقیقت دن بھر ہی کا ہوتا ہے، اس کے الگ الگ حصے بخرے نہیں ہوتے (محیط سرخسی) زوال سے پہلے ایک لڑکا بالغ ہوا اور اب تک اس نے کچھ کھایا پیا نہیں، وہ روزہ کی نیت کرلے تو صحیح قول کے مطابق اس کا روزہ ہوجائے گا (جوہرۃ النیرۃ) رازی کہتے ہیں کہ بچے کے اندر روزہ رکھنے کی سکت ہو تو اس سے روزہ رکھوایا جائے۔ البتہ ابوجعفر نے اس مسئلہ میں بلخ کے فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے، اصح قول یہی ہے کہ بچے سے روزہ کے لئے کہا جائے بشرطیکہ روزہ رکھنے سے کوئی جسمانی نقصان نہ پہنچے۔ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے روزہ نہ رکھوایا جائے، اگر اس کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس نے نہیں رکھا تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی، ابوحفص سے یہ مسئلہ معلوم کیا گیا کہ دس برس کی عمر میں بچہ اگر روزہ نہ رکھے تو اس کو مارا جائے گا یا نہیں؟ انھوں نے یہ جواب دیا کہ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا حکم نماز ہی جیسا ہے (زاہدی) اگر کسی کو رمضان میں صبح کے وقت کوئی ایسا عذر درپیش تھا، جس کی وجہ سے روزہ واجب نہیں ہوا روزہ نہ رکھنے کی اس صورت میں گنجائش تھی، بعد میں وہ عذر باقی نہیں رہا اور آدمی کی ایسی حیثیت ہوگئی کہ اس حالت میں صبح کے وقت اس پر روزہ واجب ہوتا مثلاً ایک لڑکا دوپہر کے وقت بالغ ہوا، غیر مسلم اسلام لایا، پاگل آدمی کے حواس درست ہوگئے، حائضہ عورت حیض سے فارغ ہوگئی، مسافر اپنے وطن میں پہنچ گیا اور اب ایسے شخص کے اندر روزہ رکھنے کی استعداد ہے تو باقی دن کے حصہ میں اس کو ان سب باتوں سے پرہیز واجب ہے جو روزے میں ممنوع ہیں، ایسے ہی کسی پر صبح کے وقت روزہ واجب ہوا کیونکہ اس وقت روزہ واجب ہونے کا سبب بھی موجود تھا اور اس کے اندر روزہ رکھنے کی اہلیت بھی موجود تھی مگر وہ روزہ دار نہیں رہا، مثلاً قصداً روزہ توڑا، یا شک والے دن صبح کے وقت کچھ کھا پی لیا، بعد میں پتہ چلا کہ یہ رمضان کا دن تھا یا سحری کھاتے وقت یہ گمان رہا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہوچکی تھی تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ روزہ دار

کی طرح رہے، جو چیزیں روزے میں حرام ہیں ان سے باز رہے (بدائع) کسی نے یہ سمجھکر کچھ کھالیا کہ سورج غروب ہو چکا اور پھر پتہ چلا کہ سورج نہیں چھپا تھا اب وہ شخص جس نے غلطی سے یا کسی کی زبردستی سے روزہ توڑا اس کا حکم بھی یہی ہے کہ روزوں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں ان سے پرہیز کرے (خلاصہ) بعض فقہاء کے نزدیک ایسے لوگوں کو ان ممنوع چیزوں سے پرہیز کرنا واجب نہیں مستحب ہے صحیح یہ ہے کہ پرہیز کرنا واجب ہے (فتح القدیر) حیض اور نفاس والی عورت، بیمار اور مسافر پر سب فقہاء کے نزدیک بالاتفاق روزہ دار کی طرح قضا واجب نہیں (خلاصہ) حائضہ عورت کے مسئلہ میں البتہ یہ اختلاف ہے کہ وہ سب کے سامنے کھائے پیئے یا چھپ چھپاکر بعض کے نزدیک چھپکر کھانا چاہیئے اور بعض کے نزدیک علی الاعلان مسافر اور بیمار آدمی کو سب کے سامنے بالاتفاق کھانا جائز ہے (سراج الوہاج) نفلی روزہ شروع کر کے توڑنے سے قضا لازم ہوگی (ہدایہ) خواہ اس کے ذاتی فعل سے روزہ ٹوٹا ہو یا اس کے اپنے فعل سے نہ ٹوٹا ہو اگر عورت نے نفلی روزہ رکھا تھا اور اسے حیض آگیا تو اس مسئلے میں دو روایتیں منقول ہیں زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا واجب ہوگی (نہایہ) اگر کوئی خیالی آدمی (اپنے خیال یا گمان کے تحت) روزہ توڑ ڈالے تو کیا اس کی قضا لازم ہو اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے۔ خیالی آدمی سے وہ شخص مراد ہے جو کسی روزہ یا نماز کو اپنے اوپر واجب سمجھ کر شروع کرے بعد میں پتہ چلے کہ وہ اس پر واجب نہیں تھا اب اس نے اس روزہ (یا نماز کو) قصداً توڑ دیا تو احناف کے اصحاب ثلثہ کے نزدیک اس کی قضا واجب نہ ہوگی لیکن افضل یہ ہے کہ روزہ پورا کرلے، کسی شخص نے رمضان کے روزہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا اور اتفاق سے اسی اس کی اچھی مالی حیثیت ہوگئی تو اب اس نے قصداً (اس خیال سے) روزہ توڑ دیا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاکر کفارہ ادا کرے گا) اس صورت میں ہمارے اصحاب کا وہی اختلاف ہے جو اوپر کے مسئلہ میں بیان ہو چکا (بدائع) اگر صبح ہونے کے بعد قضا روزے کی نیت کی تو روزہ کی یہ نیت صحیح نہیں رہا یہ مسئلہ کہ وہ روزہ نفلی روزہ بنجائے گا یا نہیں تو امام نسفی رح کہتے ہیں وہ روزہ نفل ہو جائے گا اگر اسے توڑے گا تو اس کی قضا لازم ہوگی (خلاصہ) جو شخص پورے رمضان میں کسی طرح کی نیت نہ کرے نہ روزہ کی نہ بے روزہ دار ہونے کی تو اس اس رمضان کی قضا لازم ہوگی (ہدایہ) رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں آتا دکتسر اظہار کا اور روزہ توڑنے کا کفارہ یکساں ہے یعنی ایک غلام کو آزاد کرنا چاہے وہ غلام مسلمان ہو یا کافر، غلام آزاد کرنے کی سکت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، روزے بھی نہ رکھ سکتا ہو ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کھانا دے ہر ایک مسکین کو ایک صاع چھوارے یا ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں دے، کونسا کفارہ ہو آدمی کی وہ حیثیت وحالت معتبر سمجھی جائے گی جو کفارہ ادا کرنے کے وقت ہے جس وقت کفارہ واجب ہوا تھا اس وقت کی حیثیت کا اعتبار نہیں چنانچہ جو شخص کفارہ ادا کرنے کے وقت مفلس ہے تو وہ روزے رکھ سکتا ہے چاہے اس وقت وہ صاحب مایہ ہو جب کفارہ واجب ہوا تھا (خلاصہ) کسی شخص نے ایک رمضان کے روزوں میں کئی بار صحبت کرلی اور کفارہ ادا نہیں کیا تو اس کے ذمے ایک ہی کفارہ واجب ہے اگر صحبت کرنے کے بعد کفارہ ادا کردیا اور پھر صحبت کرلی تو اب اس پر دوسرا کفارہ ظاہر روایت کے مطابق واجب ہوگا (فتح القدیر) اگر ایکدن کا روزہ توڑ کر غلام آزاد کردیا دوسرے دن کا روزہ توڑ کر بھی غلام آزاد کیا پھر تیسرے دن کا بھی روزہ توڑا اور آج بھی غلام آزاد کردیا، بعد میں پہلے دن کے آزاد شدہ غلام پر دوسرے کی ملکیت ثابت ہوگئی تو اب اس شخص پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی دوسرا غلام بھی کسی اور کا نکل آیا تب بھی یہی حکم ہے ہاں تیسرے غلام کی ملکیت بھی کسی اور کی ثابت ہوگئی تو اب اس شخص کو ایک غلام آزاد کرنا واجب ہوگا کیوں کہ پہلے دیا ہوا کفارہ بعد کے روزوں کے کفاروں کا عوض نہیں بن سکتا اگر تیسرے غلام کے ساتھ ساتھ دوسرا غلام بھی کسی اور کا نکل آئے تب بھی دو روزوں کے بدلے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اور اگر تیسرے اور دوسرے غلام کے ساتھ ساتھ پہلا غلام بھی کسی اور کا غلام ثابت ہو جائے تب

بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا اگر پہلے اور دوسرے غلام پر کسی اور شخص کی ملکیت ثابت ہو جائے تو اب تیسرے دن کے عوض ایک غلام آزاد کرے اگر دو سال کے دو رمضانوں میں صحبت کی اور ابھی پہلے رمضان کا کفارہ ادا نہیں کیا تھا تو ظاہر روایت کے مطابق ہر جماع پر ایک کفارہ لازم ہے (بدائع) حاکم وقت اور والی سلطنت پر کفارہ لازم ہو جس کے پاس مال حلال بھی موجود ہو اور وہ کسی کا مقروض بھی نہ ہو اس کو غلام آزاد کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا (بحر الرائق)

جمعرات کے دن رمضان شروع ہوا اور عرفہ بھی جمعرات کو ہو تو وہ عرفہ ہی کا دن شمار ہوگا قربانی کا دن شمار نہیں ہوگا اس روز قربانی کرنا جائز نہیں کسی نے اسدن کو قربانی کا دن سمجھ کر حضرت علی رض کے اس قول پر اعتماد کیا تو یہ صحیح نہیں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تمہاری قربانی کا دن وہی ہے جو روزہ کا دن ہے ممکن ہے یہ بات حضرت علیؓ نے اسی برس کے لئے خاص طور پر فرمائی ہو ہمیشہ کے لئے نہ فرمایا ہو جو مستبعد بات ہے (قاضی خاں فصل روایت ہلال)

جو روزے فرض ہونے کی حیثیت سے لازم ہوتے ہیں وہ تیرہ قسم پر مشتمل ہیں، ان میں سے سات ایسے ہیں جنہیں مسلسل رکھنا واجب ہے یعنی [1] رمضان، کفارہ [2] قتل، کفارہ [3] ظہار، کفارہ [4] قسم، کفارہ [5] رمضان، نذر معین [6]، قسم معین [7] روزے، باقی چھ روزے وہ ہیں جن کا مسلسل رکھنا لازمی نہیں، یعنی رمضان کے روزوں کی قضا، تمتع کے روزے [1] حالت احرام میں سر منڈا دینے کے کفارہ کے روزے حالت احرام میں شکار کرنے کی جزا کے روزے اور اس نذر کے روزے جو غیر معین ہو قسم کے روزے جب کہ قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا (بحر الرائق) رمضان کے روزوں کی قضا مسلسل رکھنا واجب نہیں اسے اختیار ہے چاہے مسلسل رکھے یا الگ الگ، مگر مسلسل رکھنا مستحب ہے تاکہ یہ واجب جلد سے جلد اس کے ذمے سے اتر جائے (سراج الوہاج) شب قدر کی تلاش و جستجو مستحب ہے یہ رات سال کی تمام راتوں سے افضل ہے (معراج الدرایہ) امام اعظم رحمۃ اللہ سے یہ روایت ہے کہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے البتہ یہ (متعین طور پر) معلوم نہیں کہ وہ کونسی رات ہے، مقدم مؤخر ہوتی رہتی ہے صاحبین رح کا قول بھی یہی ہے کہ رمضان میں شب قدر ہوتی ہے، مگر ان کے نزدیک وہ ایک معین رات ہے جو مقدم مؤخر نہیں ہوتی (منظومہ) منظومہ کی جو شرحیں ہیں ان میں بھی یہ تفصیل منقول ہے (فتح القدیر) باب الاعتکاف) حتیٰ کہ کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ شب قدر میں تو آزاد ہے اگر یہ بات رمضان سے پہلے کہی تو رمضان ختم ہو کر شوال کا چاند نظر آ گیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اگر رمضان کی ایک رات گذر چکی تھی اس وقت اس نے کہا تو اب یہ غلام اگلے سال کا رمضان گذر کر جب شوال کا چاند نظر آئے گا اس وقت آزاد ہوگا اس سے پہلے آزاد نہیں ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ رمضان کی پہلی ہی رات میں شب قدر ہو چکی ہو اور دوسرے سال کی آخری تاریخوں میں ہو صاحبین رح کے نزدیک آئندہ سال کی ایک رات گذرنے کے بعد غلام آزاد ہو گا (کافی) امام ابوحنیفہ کا قول راجح ہے (معراج الدرایہ بحوالہ ملتقی البحار) اسی پر فتویٰ ہے (محیط سرخسی) عام لوگ بالعموم اس طرح نذر کرتے ہیں کہ بزرگوں کی قبر پہ جاکر پردہ پکڑ کے کہتے ہیں کہ اے سید صاحب یا اے خواجہ صاحب یا اے پیر صاحب (میری حاجت پوری کرو تو تمہارے واسطے مثلاً اتنا سونا یا اتنا مال) نذر کروں گا ایسی نذر سب کے نزدیک باطل ہے ہاں یہ جائز ہے اگر اس طرح نذر کرے کہ اے میں اللہ کے واسطے نذر کرتا ہوں اگر میرے مریض کو صحت ہو جائے یا میری فلاں ضرورت پوری ہو جائے تو میں ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا جو فلاں بزرگ کی درگاہ پر رہتے ہیں یا فلاں مسجد کیلئے چٹائی خرید دوں گا یا روشنی کے لئے تیل خرید کر دوں گا یا وہاں کے خادموں کو روپیہ دوں گا اور ایسی چیزیں جن سے فقراء کو فائدہ پہنچتا ہو اور خدا کیلئے نذر مانی گئی ہو اور کسی بزرگ کا نام محض یوں ہی لے لیا ہو کہ وہ مستحق لوگوں میں نذر صرف کرنے کا محل ہے جائز ہیں مگر فقیروں کے

[1] یعنی حج کا اور عمرہ کا الگ احرام باندھنا ہو اس کی تفصیل کتاب الحج میں آرہی ہے

علاوہ کسی اور کو (نذر کا) روپیہ پیسہ جائز نہیں علمار کو اور بزرگ یا شیخ کے خادموں کے لئے بھی یہ رقم لینا جائز نہیں ہاں کوئی ان میں سے محتاج ہو تو لے سکتا ہے اس کے بعد یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ بزرگوں کی خوشنودی اور تقرب کے لئے ان کے مزارات پر جو روپیہ اور پیسہ چڑھایا جاتا ہے وہ سب کے نزدیک حرام ہے جب تک ان فقیروں پر اسے صرف کرنے کی نیت نہ کیجائے جو زندہ ہوں سب کے نزدیک یہی حکم ہے اس مصیبت میں بے شمار لوگ پھنسے ہوئے ہیں (نہر الفائق ۔ البحر الرائق) مجاہدؒ نے اس کو مکروہ کہا ہے کہ ایک شخص یہ بات کہے کہ رمضان آگیا اور رمضان چلا گیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے (قطعی طور سے تو) معلوم نہیں مگر شاید اسمار الٰہی میں سے رمضان بھی کوئی نام ہو البتہ یوں کہنا چاہیئے کہ رمضان کا مہینہ آگیا چنانچہ یہ منقول ہے کہ اس طرح (رمضان آگیا اور چلا گیا) کہنا مکروہ ہے کیونکہ امام محمد رح نے مجاہدؒ کے اس قول کی تردید نہیں کی مگر زیادہ صحیح یہی ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ نہیں ہے (محیط سرخسی)

قابل مطالعہ کتابیں

حیاتِ امام ابو حنیفہؒ

مصر کے مشہور استاد ابو زہرہ رح کی معرکۃ الآرار تالیف، امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے تمام گوشوں کا سیر حاصل محققانہ اور بسیط تعارف، اردو ترجمہ دلکش، قیمت صرف دو روپے ۲/۰

حیاتِ ابن تیمیہؒ

یہ بھی استاد ابو زہرہؒ ہی کی عرق ریزیوں کا نقش جمیل ہے ابن تیمیہؒ کے افکار و آرار اوصاف و خصائل اور احوال و کوائف کی تفصیلی سرگذشت۔ ہدیہ اکیس روپے،

حیاتِ امام ابن القیمؒ

مصنف، عبد العزیز عبد السلام شرف الدین استاد جامعہ القاہرہ، مترجمہ، حافظ سیّد رشید احمد ارشد ایم۔ اے، آٹھویں صدی کے مشہور عالم امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید اور رفیق حافظ ابن القیمؒ الجوزیہ کی سوانح عمری اور فقہ، عقائد اور تصوف پر ان کے بیش بہا افکار کا مجموعہ وہ گراں قدر کتاب ہے کی تصنیف پر جامعۃ القاہرہ مصر نے مصنف کو اسلامیات کی اعلیٰ ترین سند عطا کی قیمت بارہ روپے۔

معارف المشکوٰۃ اردو

مشہور کتاب ،، مظاہر حق ،، کی جدید اردو شرح زبان و بیان کی سلاست اور دلنشین اسلوب میں پیش کیجارہی ہے بارہ جز چھپ چکے جن میں پوری ایک جلد آگئی ہے حدیث کی کامیاب اور مفید کتاب ہے ہدیہ فی جزدو روپے

حضرت عائشہ صدیقہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے احوال و تذکار معتبر کتابوں سے قیمت صرف اٹھاسی ۸۸ نئے پیسے

حیات امام طحاویؒ

مشہور محدث امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جو دلچسپ بھی ہیں اور وقیع بھی۔ قیمت صرف ایک روپیہ

مسلم شریف اردو مع عربی

حدیث کی مشہور و معروف مستند کتاب **مسلم شریف** کا بھی اردو ترجمہ لیجئے بلکہ اس کی جو شرح، شرح نووی کے نام سے مشہور ہے اور تمام مدارس میں چل رہی ہے اس کا بھی ترجمہ ساتھ ہی شامل ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی، مکمل چھ ۶ جلدوں میں، .... ہدیہ اڑتالیس ۴۸ روپے

ابن ماجہ اردو کامل

حدیث کی جو چھ کتابیں صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں ان میں کی ایک ابن ماجہ بھی ہے اس کا عام فہم اردو ترجمہ صرف بارہ ۱۲ روپے میں طلب فرمائیں،

هر قسم کی درسی و غیر درسی کتب ملنے کا پتہ

مکتبہ آفتاب ہند ایت آستانہ مفتی اعظم ابو المعالی دیوبند یوپی

ریڈیو، گرام فون، فوٹو گرافی، سینما اور دوسرے

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام

تصنیف:- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

آلات جدیدہ لاؤڈ اسپیکر، گراموفون، فوٹوگرافی، سینما، انجکشن، ریڈیو، ہوائی جہاز وغیرہ اور مریض کے بدن میں انسانی خون کے استعمال وغیرہ کے متعلق شرعی احکام مع دلائل شرعیہ بیان کیے گئے ہیں اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب آج ہر مسلمان کے لئے کتنی ضروری ہے ان سائنسی ایجادات کا استعمال اب تمدن کا جزو بن گیا ہے۔ لیکن ان کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے اس کا مستند جواب یہ کتاب دے گی، کاغذ، کتابت، طباعت، عمدہ، سہ رنگا ٹائٹل، قیمت صرف سوا دو روپے۔ صفحات ۲۲۴)

معجزہ کیا ہے؟

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے قلم حکمت رقم سے ایک تازہ ترین اور لاجواب شاہکار معجزوں کی حقیقت کیا ہے انبیاءؑ کو معجزے کیوں دیئے گئے، معجزے اور بازی گری میں کتنا بڑا فرق ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دوسرے انبیاءؑ کے معجزوں پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ آج کی سائنسی ترقیات نے بالخصوص حضور اکرمؐ کے معجزات کو کس آسانی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے ان باتوں کا جواب اس زبردست کتاب کے ذریعہ معلوم کیجئے۔

زبان اس قدر سادہ اور عام فہم کہ کم تعلیم یافتہ لوگ بھی نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں، کاغذ، طباعت، کتابت عمدہ مجلد مع دو رنگا گرد پوش، قیمت صرف ۱/۲۵

بچوں اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ایک نایاب اور مقدس تحفہ ایک عظیم کتاب

مجموعہ سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(تالیف) محمد اسلم رمزی قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

یہ سلسلہ بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے جسمیں ولادت سے لے کر وفات تک رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے تمام گوشے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ بچے اور کم تعلیم یافتہ لوگ اپنے پیغمبر پاکؐ کی سیرت یعنی رفتار و گفتار، اخلاق و عادات، معاملات و غزوات غرض آپؐ کی تمام سیاسی و سماجی زندگی سے واقف ہو سکیں زبان و بیان کی سادگی اور دلچسپی اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے آج ہی یہ کتاب **طلب** فرمایئے اور اپنے بچوں کو نبی پاکؐ کی حیات سے تفصیل کے ساتھ مطلع کرایئے یہ مجموعہ پچیس ۲۵ مختصر مختصر حصوں پر مشتمل ہے جن کے نام برابر میں لکھے ہوئے ہیں، کاغذ کتابت، طباعت عمدہ، دلکش سہ رنگا ٹائٹل، قیمت فی حصہ ہم (ہر حصہ علیحدہ مع ٹائٹل)

پچیس ۲۵ حصوں کے نام یہ ہیں

ولادت ۱، نشو و نما ۲، وحی ۳، آغاز تبلیغ ۴، تبلیغ عام ۵، روشنی اور اجالا ۶، معراج ۷، قبیلوں کے ساتھ ۸، ہجرت ۹، منافقین ۱۰، آغاز جہاد ۱۱، غزوہ بدر ۱۲، غلبۂ اسلام ۱۳، غزوہ احد ۱۴، احد کے بعد ۱۵، غزوہ احزاب ۱۶، ادب اور پاکدامنی ۱۷، معاملہ حدیبیہ ۱۸، غزوہ خیبر ۱۹، عمرہ قضا ۲۰، فتح مکہ ۲۱، غزوہ حنین ۲۲، غزوہ تبوک ۲۳، عروج ۲۴، وفات ۲۶

ملنے کا پتہ:- مکتبہ آفتاب ہدایت دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)